حیاتِ طیبہ

شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

تالیف: مرزا حیرت دہلوی

اسلامی اکادمی، اردو بازار۔ لاہور

حیاتِ طیبہ

سوانح عمری

شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

تالیف

مرزا حیرت دہلوی

ناشر

اسلامی اکادمی ناشران کتب اردو بازار لاہور

٦

مطبع . . . . معارف پریس لاہور
تاریخ طباعت . . . . . اگست ۱۹۷۶ء
تعداد . . . . ایک ہزار
قیمت . . . . پچیس روپے

انہیں قتل کرنے میں اپنی زندگی بسر کرے مفسد اور متمرد راج کے بعد گرو گووند سنگھ کا ایک پٹھان نے پیٹ میں چھری گھنگول کے فیصلہ کر دیا۔ اس نے مرتے وقت اپنا جانشین نامزد کرنے سے انکار کیا، اور اپنے پیروان سے کہا آئندہ تمہارا کوئی گرو نہ ہوگا صرف گرنتھ صاحب یعنے کتاب کا لارڈ تمہاری حالت اور صورت میں رہنمائی کرے گا۔

مذہب سکھ اس کے بانی اور سکھوں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی یہ مختصر کیفیت ہے جس کا خلاصہ زیادہ تر سکھوں کی مستند مذہبی کتابوں سے کیا گیا ہے۔ ہم اس پر کچھ رائے زنی نہیں کرنا چاہتے صرف اسی قدر لکھنا کافی ہوگا ناظر جب غور سے پڑھے گا خود اندازہ کرلے گا کہ ابتدا سے مسلمانوں نے سکھوں کے گروکے ساتھ کیا کیا نیک سلوک کئے اور سکھوں نے اس کے مقابل میں مسلمانوں کے ساتھ کیسی نازیبا کارروائیاں کیں، یہ انصاف ہر مذہب کے ناظر پر چھوڑا جاتا ہے۔ اب ہم پھر اپنے اصلی مطلب کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور مولانا شہیدؒ کے سفر پنجاب کے متعلق کچھ تازہ حالات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

جس زمانہ میں مولانا شہیدؒ دہلی میں بدعت وشرک کی اصلاح کر رہے تھے، اور آپ نے ایک تازہ روح مسلمانوں کے مُردہ تنوں میں پھونکنے کا بیڑا اٹھا لیا تھا، پنجاب میں رنجیت سنگھ حکومت کرتا تھا، اس کی سلطنت میں مسلمانوں کی جو کچھ ناگفتہ بہ کیفیت تھی وہ قابل ماتم ہے جس کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، بعض پنجابی چونکہ مولانا شہیدرح کے بہت معتقد ہوگئے تھے، اس لئے آپ کو سکھوں کے قابل رحم اور مذہب اسلام میں دست اندازی کی خبریں پے درپے آرہی تھیں جب آپ سُنتے سُنتے دق ہوگئے تو آپ نے مصمم ارادہ کیا کہ پہلے بذات خود اس امر کی تحقیق کرنی چاہیئے اور پھر اس کا تدارک کرنا زیبا ہے۔

مولانا شہیدؒ نے اپنے خاص معتمد شاگردوں سے اپنے سفر کا ذکر کیا، اُنہوں نے ہمراہ چلنے کی اجازت طلب کی لیکن آپ نے منظور نہ کیا اور فرمایا میں تنہا ہی جاؤں گا میں ایک نفس کو بھی ساتھ لے جانا نہیں چاہتا۔ صرف تمہیں اطلاع دینے سے یہ غرض ہے کہ تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا، اور اگر تم سے کوئی دریافت کرے تو یہ کہہ دینا اپنے کسی کام کے لئے

لے سکھاں دی راج دیدی تھی آصفر ۷۹+

الڑ آباد گئے ہوئے ہیں، اس میں تمہیں جھوٹ بھی بولنا نہ پڑے گا اور سائل کی تسکین بھی ہو جائے گی۔

ہمیں صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے آپ پیا پیادہ بھیس بدل کے عازم پنجاب ہوئے پہلے آپ انبالہ پہنچے یہاں اپنی مطلب برآری زیادہ نہ دیکھی۔ پھر آپ سیدھے امرتسر روانہ ہوئے ہاں یہاں کے مسلمانوں کی فلاکت زدہ حالت کا تہرناک نظارہ قابل دید تھا۔ علاوہ ان تشدد اور سختیوں کے جو اسلام اور مسلمانوں سے برتی جاتی تھیں، مسلمانوں کا کامل بت پرست بننا تھا، یہاں تک کہ پیروں اور شہیدوں کی نماز ہونے لگی تھی، پیر غیب کے نام پر بہت زور شور سے روزے رکھے جاتے تھے۔ کہیں شیخ فرید کو مشکل کشا یا خدا یا نبی (معاذ اللہ) اور خبر نہیں کیا کیا تسلیم کیا جاتا تھا۔ کہیں سید احمد کبیر کو اپنا نجات دہندہ مانا جاتا تھا۔ ایک عجیب طوفان بے تمیزی برپا تھا۔ کوئی گھر ایسا مشکل سے ہوگا جس میں کسی پیر شہید کی کوئی قبر نہ ہو اور اس پر کھلم کھلا سجدے نہ ہوتے ہوں، قرآن نہ کوئی پڑھتا تھا اور نہ اس کے معنے سمجھنے کا کسی کو علم تھا نہ ملا نہ واعظ نہ قاضی نہ مفتی غرض سوائے گنڈے تعویذ والوں کے دور دور کوئی نظر نہ آتا تھا، خدا اور نبی کو بیچ بیچ سب نے بھلا دیا تھا اور ان کے مقابل میں فرضی پیروں کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کر لیا گیا تھا، بچہ بچہ اپنے کو صوفی کہنا اپنا فخر جانتا تھا اور جتنے گروہ صوفیوں[1] کے دنیا

---

[1] یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ صوفیوں کے متعلق اصول قرآن اور احادیث کے روشن اصول سے کہاں تک مطابق ہیں اگر باہم متضاد ہیں تو کن مسائل میں اختلاف ہے۔ میں اس پر بحث کرنے کی تکلیف برداشت نہ کروں گا صرف بزرگ تر صوفیوں کے اصول اور ان کے مختلف گروہوں کا تذکرہ کرکے ناظر کے انصاف پر اس کا فیصلہ چھوڑتا ہوں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زندگی میں اس مذہب کی بنیاد پڑ چکی تھی اور اس مذہب کے بانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہوئے ہیں مگر کوئی اسلامی تواریخ مثلاً ابن اسحٰق، ابن ہشام، مدائنی، واقدی، طبری وغیرہ جو ابتدائے زمانہ کی تاریخیں ہیں اس امر کی شہادت نہیں دیتیں کہ ہم کس بات سے حضرت علی کو صوفی گردانیں، لیکن محققوں کی تحقیقات کے بموجب اس قدر معلوم ہوا ہے کہ تصوف ہندوؤں کے ویدانت اور کسی قدر یونانی حکماء کی قدیمی کتابوں میں بھی اس مذہب کا پتہ لگتا ہے۔ سر ولیم جانسن نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ افلاطون نے دانایان مشرقیہ سے علم تصوف سیکھا ہے۔ بایں ہمہ اس مذہب میں اسلام کی زبردست شان معلوم ہوتی (باقی بر صفحہ ۱۶۲)

میں آباد ہوں گے شاید سب ہی وہاں موجود ہوں تو عجب نہیں یہ تو مسلمانوں کے عقائد کی کیفیت تھی لیکن ان کے ساتھ سکھوں کا برتاؤ اور بھی زہرہ شق کرنے والا تھا۔ فی صدی دس مسجدیں سکھوں کے قبضہ میں تھیں اور ان مسجدوں میں یا تو گھوڑے بندھتے تھے یا سکھوں کے دفتر تھے۔ قطعاً حکم دے دیا گیا تھا کہ کوئی شخص اذان بلند آواز سے نہ کہے، بلکہ اس خاموشی سے اذان کہے کہ اس کا دوسرا بازو بمشکل سُن سکے۔ چنانچہ اس زمانہ تک جموں وغیرہ شہروں میں اذان اسی طرح ہوتی

(بقیہ صـ۱۶۱) ہوتی ہے، صوفیوں کی بیشمار قسمیں ہیں لیکن بلا لحاظ ادنٰے فرقوں کے صوفیوں کی دو بڑی بڑی قسمیں ہیں ایک گروہ الہامیہ کہلاتا ہے اور دوسرا اتحادیہ۔

صوفیوں کے مجمل اصول یہ ہیں :- (۱) خدا زندہ توانا ہے، وہ ہر چیز میں ہے، اور اس میں سب چیزیں ہیں۔

(۲) تمام ظاہری اور چھپی ہوئی مخلوق اسی کی ذات سے نکلی ہے اور ان میں اپنے خالق سے کوئی اصلی فرق نہیں ہے۔

(۳) مذاہب اختلافات کے اسباب ہیں وہ مگر نفس الامر کی طرف رہنمائی کرتے ہیں بعض اس مطلب کے لئے بہت ہی زیادہ مفید ہیں مثلاً اسلام جس کا سچا فلسفہ تصوف ہے۔

(۴) نیک اور بد میں کوئی بھی فرق نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں خدا ہی کی ذات سے نکلی ہیں اور خدا انسانی افعال کا سچا اصلی خالق ہے۔

(۵) یہ خدا ہے جو انسان کی مرضی قائم اور مستحکم کرتا ہے اس لئے انسان اپنے افعال میں آزاد نہیں ہے۔

(۶) روح جسم سے پہلے بھی زندہ تھے اور آخرالذکر کے پنجرہ میں بعد ازاں بند کر دی جاتی ہے، اس لئے موت صوفی کی خواہشات کا خاص مدعا ہوتی ہے یہ اس لئے ہے کہ وہ الوہیت کے سینہ میں چلا جاتا ہے۔

(۷) اگر کوئی روح ایک جسم میں اپنی پاکی اور تقدس کے مدارج اعلیٰ طے نہیں کر لیتی تو اُسے پھر تناسخ کی رُو سے دنیا میں آنا پڑتا ہے اور پھر اپنی حالت درست کر کے وہ خدا کی ذات کے ساتھ مل جاتی ہے۔

(۸) خدا کی بغیر توفیق کے جس کو صوفی فضل اللہ کہتے ہیں کوئی روح اس کی ذات میں نہیں مل سکتی لیکن پھر بھی روح خدا کی ذات میں سرگرمانہ طور پر اس سے اجازت لے کے مل سکتی تھی۔

(۹) صوفی کا اپنی دنیاوی زندگی میں وحدانیت میں استغراق رکھنا فرض ہے۔ خدا کا ذکر کرتا رہے اور طریقت میں برابر ترقی کناں رہے۔ یہاں تک کہ اُسے سب سے برتر ذات سے وصل نصیب ہو جائے۔ (باقی بر صـ۱۶۳)

ہے۔ بقر رکو قربانی کرنے کے قوانین بھی بہت سخت تھے۔ بعض اضلاع میں جاہل سکھ مسلمانوں کو بکرا ذبح کرتے وقت مجبور کرتے تھے کہ بجائے اللہ اکبر کے گرو نانک کا نام لو اور انہیں اپنی جانوں کے خوف سے کرنا پڑتا تھا۔ ریاست میں بڑے چھوٹے عہدے ملنا تو درکنار یہ کہنا غضب تھا کہ کوئی مسلمان مسجد کے کواڑ کھول کے نماز نہ پڑھ سکتا، اور اگر کسی ناواقف نے ایسا کیا بھی اسے راستے چلتا سکھ پیچھے سے دھکا دے کے الٹ دیا کرتا تھا، معمولی جھگڑوں

(بقیہ ص۱۶۲) سفر صوفی :۔ انسانی زندگی ہو بہو سفر کی مشابہ ہے جو مسافر خدا کی تلاش میں سفر کرتا ہے اسے سالک کہتے ہیں، سالک کا بہت بڑا کام یہ ہے کہ علم خدا یعنی معرفت حاصل کرنے میں جو تمام اشیاء کے تنوں میں چھپی ہوئی ہے اپنی جان لڑا دے۔ کیونکہ انسان کی روح اپنے خالق سے راندہ ہے، اور انسانی زندگی روح کی اپنے خالق سے جلاوطن ہونے کے باعث سے ہے چاہیئے روح کو ہم منزل بمنزل ارتفاع پر چڑھاتے چلے جائیں یہاں تک کہ اس کا وصل خدا کی ذات کے ساتھ ہو جائے۔ ہر انسانی مخلوق کی فطرت ناسوت ہے جس حالت میں مرید کو ضرور قانون شریعت دیکھنا چاہیئے، لیکن جبکہ یہ انسانی زندگی کا ادنے درجہ ہے اس کی تکمیل جستجو کرنے والے کی کوشش پر منحصر ہے

صوفی مصنفوں نے مختلف منازل کا مختلف طور پر ذکر کیا ہے، لیکن ہندی اور ایرانی صوفیوں میں دلکم کی تحریر کے مطابق) مفصلہ ذیل مدامی یا معمولی سفر یہ ہے (پہلی اسٹیج منزل) جو ہم نے ابھی بیان کی ناسوت ہے جس میں مرید کو ضرور قانون شریعت کے مطابق رہنا چاہیئے، اور مذہب اسلام تمام اصول، ارکان طرق ادا کرنے واجب ہیں، دوسری اسٹیج ملکوت کہلاتی ہے کیونکہ یہ طریقت کا ایک راستہ ہے تیسری اسٹیج قوت جبروت پر قبضہ پانا ہے اُسی کے ساتھ معرفت کا پورا علم ہے۔ چوتھی اسٹیج یا منزل فنا فی اللہ کی ہے جس کی وجہ سے حقیقت کا کھوج لگ جاتا ہے اور وہ حاصل ہو جاتی ہے۔ مفصلہ ذیل بیان زیادہ سالک کے وسیع سفر کی بابت ایک صوفی مصنف عزیز بن محمد نفیسی نے اپنی کتاب مقصد الاقصیٰ میں تحریر کیا ہے (اس کتاب کا ترجمہ ۱۸۶۷ء میں پروفیسر پامر کیمبرج یونیورسٹی نے انگریزی میں کیا تھا) جب انسان کے قبضہ میں اخروی مقاصد کشادہ دلائل کے ساتھ جو اس کی تمام شہادت سے نجات تو آئیں آجائیں اور اس کے دماغ میں کسی قسم کی خدا کے وجود کی نسبت بے اعتباری اور تذبذب نہ رہے، اس وقت وہ شخص طالب کہلاتا ہے یا بہ تبدیل الفاظ طالب کی مذکورۂ بالا صفت ہے اگر وہ زیادہ تر اپنا میلان ان کے سلسلے کے مطابق تفحص میں علانیہ ظاہر کرے اس کو مرید کہتے ہیں (جس کے معنی میلان کرنے والا یا رجوع ہونے (باقی بر ص۱۶۴)

میں گھس آئا اور متبرک کتابوں کو جلا دینا یہ ایک معمولی بات تھی۔ بعض خاندان اپنا وطن چھوڑ کے انگریزی پُرامن سلطنت میں چلے گئے تھے، اتنی بات بے شک قابل تعریف تھی کہ رنجیت سنگھ جہاں تک مولانا شہیدؒ نے تحقیق کیا بذات خود اتنا جابر اور ظالم نہ تھا، ساتھ ہی اس کے مسلمانوں کی طرف سے ہم اسے محتاط بھی نہیں کہہ سکتے یہ نظارہ تعجب سے دیکھا جائے گا۔ اس کے خاص محل میں کئی مسلمان عورتیں تھیں جن میں کوئی رنگریزاں اور کوئی ککڑ والی تھی پھر بھی اس کی پالیسی

(بقیہ صفحہ ۱۶۳) والے کے ہیں) جو کوئی مذہب صوفیہ کرام کی روحانی تعلیمات پر اپنے کو وقف کرتا ہے وہ گویا سفر پر روانہ ہوتا ہے اور سالک ہو جاتا ہے اس کی تمام زندگی میں جو اس کا کام ہوتا ہے وہ ریاضت نفس اور تسلیم و رضا ہے یہاں تک کہ اُسے ذات باری کے پورے علم سے کامل واقفیت ہو جائے۔

(۱) یہاں اسے خدا کی خدمت کرنے کا اوپدیش (نصیحت) دی جاتی ہے اور وہ اوپدیش یہ ہے کہ اپنا پہلا قدم خدا کے بسیط علم کے حاصل کرنے کی طرف بڑھائے۔ یہ گویا اس کے سفر کی پہلی منزل ہے، اور اُس کا نام عبودیت ہے۔

(۲) حالت عبادت میں ربانی اثر اور مقناطیسی کشش خدا کی محبت میں اسے مستغرق کر دیتی ہے اس وقت یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ منزل عشق تک جا پہنچا۔

(۳) یہ ربانی عشق تمام دنیاوی خواہشات کو جو اب تک اس کے دل پر محیط ہو رہی تھیں بالکل مٹا دیتا ہے اور اس کی دوسری منزل کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس منزل کا نام منزل زہد ہے۔

(۴) اس منزل سے جب وہ آگے قدم بڑھائے گا فطرۃ کے بعید الفہم یا مغلق اصول کی تفتیش اور تفحص میں مراقبہ کرے گا اور ہمہ تن فکر ہو کے تفحص کا پتلا بن جائے گا اور خدا کے کاموں کی کنہ تک پہنچنے کے لئے اپنی پوری قوت سے کام لے گا پھر اسے درجہ معرفت حاصل ہو گا بشرطیکہ وہ اپنی جستجو میں کامیابی حاصل کرے

(۵) فطرۃ کے مغلق اصول کا یوں معروفیت سے مراقبہ کرنا صوفی کے ضمیر کو پوری کشش کرنے کا باعث ہوتا ہے اور پھر اس کے ضمیری جوش کے بھڑکانے کے لئے بھی کافی ثابت ہوتا ہے۔ یہ بیخودانہ حالت گویا اس امر کی علامت ہے کہ اس کا دل ربانی جلووں سے منور ہو گا اور پھر اس منزل پر پہنچے گا جسے منزل وجد کہتے ہیں۔

(۶) اس منزل کے درمیان اُسے خود بخود خدا کی ذات کے علم کا القا ہو گا اور یہاں سے وہ اس منزل پر پہنچیگا۔ جسے منزل حقیقت کہتے ہیں۔ (باقی بقیہ صفحہ ۱۶۵)

کچھ ایسی مبہم تھی جس سے یہ ہی نہیں کھلتا تھا اس نے مسلمانوں کے لئے کن کن حقوق کو برقرار رکھا ہے اور وہ سکھوں کے غیر ضابطہ جوش کا مسلمانوں کے مقابلہ میں کس درجہ اندازہ کرسکتا ہے، مولانا شہیدؒ چونکہ ایک معمولی سپاہی تھے اس لئے انہیں ہر مقام پر جانے اور وہاں کے حالات دریافت کرنے کا بہت اچھا موقع ملتا تھا، وہ ہر حاکم اور ہر دفتر کی کارروائی کو جو مسلمانوں کے خلاف روز مرہ ظہور پذیر ہوتی رہتی تھی اچھے طور سے اندازہ کرسکتے

(بقیہ صفحہ ۱۶۴) (۷) اس منزل سے وہ دوسری منزل تک از خود کھینچا ہوا پہنچ جائے گا، اور یہ منزل منزل وصل کہلاتی ہے۔

(۸) اس سے زیادہ وہ آگے ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتا۔ ہاں اپنی ہستی کو لاشئی محض سمجھنے کا یقین دن بدن اس کے دماغ و دل میں بڑھتا جائے گا، یہاں تک اسی میں اُسے موت آجائے گی اور یہ منزل فنا فی اللہ کی کہلاتی ہے، اس کے بعد عزیز بن محمد نفیسی نے ذکر کرنے کے بہت سے طرق بیان کئے ہیں جو منازل صوفیوں کے لکھے گئے اس سے ناظر خود اندازہ کرے گا کہ مذکورۂ بالا صفات سے کونسا صوفی آراستہ ہے اور کن اصول کی تقلید کی جاتی ہے۔

صوفیوں کے اصول کے موافق کامل شخص کون ہے؟:۔ کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر ای ایچ پامر نے بڑے بڑے صوفیوں کی کتابوں سے یہ بیان منتخب کیا ہے جو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں کامل شخص وہ ہے جو قانون اصول اور حقیقت سے (شریعت کی) پورا واقف ہو یا دوسرے الفاظ میں جسے کامل طور پر ۴ چیزیں حاصل ہیں یا خدا کی طرف سے عطا ہوئی ہیں مثلاً (۱) حسن مقال (۲) حسن اعمال (۳) نیک اصول (۴) علوم مختلف سالک کا یہ فرض ہے وہ ان چار چیزوں پر کامل طور سے عبور حاصل کرے جب وہ اس میں اکمل ہو جائیگا اس وقت گویا وہ کامل صوفی ہوگا۔ ایسے کامل صوفی کو کئی کئی ناموں سے پکارا گیا ہے، مثلاً بزرگ، رہنما، پیش رو، تلقین کرنے والا، معلم، دانا، نیک نشان اور آئینہ دنیا، قوی تر تریاق، زبردست اکسیر، مسیح وقت، خضر وقت (جس نے آب حیات کے چشمہ کا کھوج لگایا تھا) سلیمان (جو پرندوں کی بولی سمجھ سکتا تھا)۔

کل کائنات کو ایک ایسے سریر (جسم) سے تشبیہ دی گئی جس کی روح کامل آدمی ہے اور پھر کائنات کو ایک درخت تسلیم کیا گیا ہے جس کا میوہ انسان ہے اور کامل شخص اس کا جوہر اور مغز ہے، کامل سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ کیونکہ ذات خدا کا علم حاصل کرنے کے بعد وہ فطرت کی ماہیت اور باقی برکات

تھے۔ وہ ادنیٰ ادنیٰ مسلمانوں سے ملے، اور ساری کیفیت ان سے دریافت کی انہوں نے بیان کیا جب سے افغانیوں کا خوف سکھوں کے دلوں سے گیا ہے۔ ہماری کتے کے برابر بھی عزت نہیں کی جاتی۔ ہمارے مذہبی ارکان میں کھلم کھلا دست اندازی کی جاتی ہے اور ہمارے مقابر اور پرستشگاہوں میں سکھ ناجائز افعال کرتے ہیں اور شب و روز اپنے جانور باندھے رکھتے ہیں کسی کی مجال نہیں کہ ٹوٹی ہوئی مسجد کی مرمت کر سکے یا نئی مسجد بنا سکے مگر شاذونادر ایسا

(بقیہ صفحہ ۱۶۵) مادی اشیاء کے جواہروں کو پہچان جاتا ہے اور پھر یہاں اسے کوئی کام سوا اس کے نہیں ہوتا کہ خدا کی مخلوق پر رحم کرے، اور ان کی بہبودی کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر دے۔ اس سے زیادہ کوئی رحم نہیں ہے کہ وہ دوسروں کے کامل بنانے اور انہیں ربانی علوم سے واقفیت دینے میں اپنا دھن، من، تن قربان کر دے، پند و نصیحت سے بھی اور اپنے اعمال سے بھی کیونکہ نصیحت کرنے والے کے اقوال سے زیادہ لوگوں پر افعال کا اثر پڑتا ہے خود خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے "مخلوق پر رحم کرو" ساتھ ہی اس کے یہ ضروری ہے دنیاوی آرزوؤں اور خواہشوں سے اپنا دل بالکل پاک رکھے، اور اپنی زندگی اپنی ہستی کو لاشئی محض سمجھے اور اس کا کامل یقین رکھنے میں صرف کرے وہ پھر اصول اور علم میں کامل ہو گا ورنہ ضمیری قابلیتیں اور دلی تیقن اس کا ادھورا رہ جائے گا۔ اور بے شبہ وہ شخص کامل ہے جس میں ایسی زبردست قوت ہو جو شہنشاہوں اور حکمرانوں میں ہوتی ہے لیکن وہ اپنی عاجزانہ اور منکسرانہ ہستی کا خیال کر کے ہمیشہ مسکین بنا رہے گا، اور یہی عاجزی ایسی زبردست قوت ہونے پر مستحسن ہوتی ہے یا دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں ایک پرزور شان اور قوت حاصل ہونے کے بعد عاجز رہے۔ برخلاف سلاطین اور شاہوں کے کہ وہ بہت سی چیزیں حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن پھر ان میں خواہش باقی رہتی ہے یا وہ ایسی چیزوں سے بچنا چاہتے جن میں آخر کار وہ مبتلا ہوتے ہیں اور اس آلائش دنیا سے ان کی نجات نہیں ہو سکتی۔ انسانی سرشت میں کامل و ناقص دونوں ہی جوہر ہیں۔ اس میں شاہ ہونے کا بھی مادہ ہے اور رعیت بننے کا بھی، اس کی ذات میں دانائی بھی ہے اور نادانی بھی ہے۔ لیکن یہ تمام جوہر مایوسی کے ہکنار اور نقص کے پہلو بہ پہلو پیدا ہوتے ہیں۔ تمام مخلوق اپنی ضمیری خواہشات کے خلاف اپنی زندگی بسر کرتی ہے۔ مگر کامل جانتا ہے کہ سوائے ترک دنیا کے اور کوئی چیز انسان کے لئے افضل تر نہیں ہے جب تک وہ دنیاوی تعلقات کا مذاق اپنے دل سے دور نہ کرے گا کبھی آزاد یا کامل نہیں بن سکتا۔ کمال حاصل کرنے کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ دولت دو مرتبہ کو لات مارے۔ پھر بزرگی اور معلی پر تین حرف بھیجے اور بعد ازاں (باقی برصفحہ ۱۶۷)

ہوتا ہے اگر کوئی رنجیت سنگھ تک پہنچ گیا اور اُس کی بڑی خاطر منظور ہوئی اُسے تعمیر مسجد کی اجازت مل جاتی ہے۔ سرِدربار اسلام اور پیغمبرِ اسلام کو توہین آمیز الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے وہ عام طور پر مسلمان کو موسلا کہتے ہیں۔ اور یہ گویا بڑی شائستگی سمجھنی چاہیئے، اور نہیں ہر سکھ کا تکیہ کلام مسلمانوں کے لئے خاص یہ کریہہ نامہذب اور انتہا درجہ کا غلیظ فقرہ ہے جو روزمرہ ہر سکھ بچّہ کی زبان پر جاری ہے جو مسلمان کی صورت دیکھتے ہی ضرور کہہ دیا کرتے ہیں حوزخوا بچہ یعنے سور کا بچّہ۔ آپ سرا میں ٹھہرے ہوئے تھے اور یہاں دوچار پردیسی مسلمان بھی موجود تھے۔

(بقیہ ص ۱۶۶) ہر شئی ادنیٰ کی توقیر اور احترام کرے اپنے کو سب سے حقیر جانے۔ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ کامل شخص میں چار باتیں ہونی چاہئیں جس میں یہ اور بھی بڑھائی جائیں گی (۱) ترک دنیا (۲) عزلت گزینی (۳) توکل (۴) بے شغلی (دنیاوی کاموں سے) جس شخص میں پہلی چار صفتیں ہیں وہ نیک ہے لیکن آزاد نہیں ہے۔ اب کامل آزاد کے لئے بھی دو درجے ہیں ایک تو وہ ہے جو دولت اور مرتبہ سے ترک تعلق کر دیتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو ترک دنیا، عزلت گزینی، توکل کے بعد تنہائی کی دلچسپی رکھتے ہیں اور کسی کی صورت دیکھنی انہیں ناگوار گزرتی ہے دوسرے وہ ہیں کہ جو ان تین چیزوں کے بعد رضا حق، ابلاغ، مراقبہ اور تیاگ کرنا پسند کرتے ہیں، لیکن ان دونوں کا مفہوم یکساں ہی ہوتا ہے۔ بعض صوفی مصنف کہتے ہیں کہ آزادی اور بے شغلی اول الذکر کے ساتھ شامل ہے اور بعض کا یہ قول ہے کہ آخر الذکر کے ساتھ شمولیت رکھتی ہے، صوفیوں نے ان تمام باتوں کے علاوہ مرید کے لئے وہ قواعد بھی منضبط کئے ہیں جن کا اسے اپنے مرشد کی حضوری میں پابند ہونا لازم ہے اور وہ مفصلہ ذیل ہیں۔

سنو! متوجہ ہو۔ کم بولو ہرگز اس سوال کا جواب نہ دو جو تم سے دریافت نہیں کیا گیا، اور جب سوال کیا جائے گا تو بلا توقف مجملاً جواب دینا چاہیئے، جھینپ کے یہ نہ کہہ دینا چاہیئے۔ ہم کچھ نہیں جانتے کسی بات پر حجت اور جھک جھک جھگی کے ساتھ نہ کرنا۔ اپنے بڑوں کے آگے شیخی بازی کرنی ہرگز جائز نہیں ہے، کبھی اعلیٰ مقام پر مجلس میں نہ بیٹھو، اگر اعلیٰ مقام کی درخواست بھی کی جائے۔ ظاہرداری، عاجزی اور ادب میں اپنے بزرگوں کے آگے تجاوز نہ کر جاؤ ورنہ اس کے مقابل میں انہیں بھی بے فائدہ تکلیف اُٹھانی پڑے گی۔

تمام حالتوں میں آداب مجلس جو مناسب اوقات مقام اور موجودہ اشخاص کے ہوں نگاہ رکھو۔

ایسی بات کی عادت نہ کرلو جو غیر ضروری ہو اور تمہارے جلیس کی آزردگی خاطر کی باعث ہو۔ (باقی بر ص ۱۶۸)

شب کو جب سو گئے تو ایک بوڑھے نے اپنے نوجوانوں سے غالباً اس کے بیٹے ہوں گے کہا اگر جان بچانی ہو تو نور کے تڑکے سے پہلے یہاں سے چل دو ورنہ جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ نوجوان نے ٹھنڈا سانس بھر کے بوڑھے کو جواب دیا بیویاں ہماری چھن گئیں، اسباب ہمارا لے لیا اب کیا خاک ہم زندہ یہاں سے جائیں اپنے کنبہ میں کیا منہ دکھائیں گے۔ بوڑھا بڑا ہوشیار تھا یہ کہنے لگا جو کچھ ہوا ظلم ہوا، اپنی لعل سی جانیں ہلاکت میں نہ ڈالو، اور یہاں سے اگر میرا کہنا سنتے

(بقیہ ص۱۶۷) صوفیوں نے لکھا ہے تین قسم کی دستگیری ہے جو سالک کی اس کے رستہ میں رہنمائی کرتی ہے (۱) انجذاب (۲) عبادہ، عروج۔

انجذاب خدا کا کام ہے جو بندہ کو اپنی طرف کھینچتا ہے، انسان اپنا دل دولت دنیا کی طرف رجوع کر لیتا ہے اور اس کے گوناگوں سامانوں سے دلچسپی لیتا ہے مگر خدا اپنا جلوہ اس کے مجلہٗ قلب میں چمکا دیتا ہے، اور پھر اسے دنیا سے نفرت اور خدا کے رستہ پر چلنے کی محبت ہوتی ہے، نفرت ہوتے ہوتے وہ اس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ خدا خود ان کا قبلہ بن جاتا ہے۔ اس حالت کو صوفیوں کی اصطلاح میں مجذوبیت کہتے ہیں، لیکن جو لوگ اس منزل سے بھی آگے بڑھتے ہیں ان میں اپنے نفس کے امتحان کرنے کی قوت آجاتی ہے، اور پھر ان کی باقی ماندہ زندگی صرف تسلیم و رضا میں صرف ہوتی ہے، ایسے شخص مجذوب سالک کہلاتے ہیں۔

شیخ شہاب الدین اپنی بیش بہا کتاب عوارف المعارف میں تحریر فرماتے ہیں، بزرگ معلم عموماً دوسرے درجہ کا منتخب کیا جاتا ہے وہ اس لئے قابل ہوتا ہے کہ شاگردوں کو تعلیم دے سکے اور درجہ کے ہر طرح اس سے زیادہ ہوتے ہیں لیکن تعلیم دینے کے قابل وہ نہیں رہتے، خدا تک پہنچنے کے دو رستے ہیں ایک کی حد محدود ہے اور ایک رستہ غیر محدود ہے جس کی نسبت ایک زبردست عارف باللہ کی ایک رباعی ہے جس کا ترکی سے ہم اردو میں ترجمہ کرتے ہیں۔

اے رب تیرے علم کا دانا حصہ لیتے ہیں، اور تیری زبردست قوت کا اور تیرا علم حاصل کرتے ہیں لیکن ...ی ذات سے دانا کے اس علم کا مقابلہ کیا جاتا ہے وہ اتنا بھی نہیں نکلتا جیسا قطرہ بحر کے آگے۔

شیخ محی الدین ابن عربی اپنے فصوص میں لکھتا ہے قرآنی الفاظ جہاں یہ بیان ہوا ہے جب میں نے انسان بنایا اور اس میں اپنی روح پھونکی وہ انسان بنانے سے غرض ایک مادہ کی خاص تیاری سے ہے اور روح پھونکنے سے مطلب انسانی روح کی مسند نشینی ہے، اس لئے سالک پر دو باتیں فرض ہیں پہلی انسانیت (باقی بر ص۱۶۹)

ہو تو بہت جلد چل دو تمہیں شیر سنگھ سردار کا قول یاد نہیں اگر کل بھی شہر میں دیکھا تو لاش کو گدھوں سے روندوا دوں گا، یہ باتیں خاموشی سے مولانا شہیدؒ نے سنیں اور دریافت کیا، وہ لیکن کچھ ایسے خوف زدہ تھے انہوں نے کچھ بھی نہ کہا بلکہ یہ کہنے لگے نہیں صاحب کچھ نہیں ہم اگلے بادشاہوں کا ذکر کر رہے تھے - مولانا شہیدؒ کے دل میں اور بھی زیادہ کرید اس مخفی امر کے دریافت کرنے کی پیدا ہوئی، آپ نے تنہائی اور مظلوموں کو دیکھ کے یہ فرمایا یہ صحیح ہے یہاں تم پر قابل رحم

(بقیہ ص۱۶۸) سیکھے اور پھر لیاقت پیدا کرے، یہاں تک جو بیان ہوا ہے ناظر کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ صوفی ہونا کس قدر مشکل اور دشوار تر ہے، اس کے مقابل میں مولانا شہید کے زمانہ میں بھی اور اب بھی ہر فرد بشر صوفی یا ولی بننا اس قدر آسان سمجھتا ہے جس سے زیادہ آسان اور کوئی چیز نہیں ہے، گیروا کپڑے پہننے چاہئیں بس صوفی بھی ہو گئے، ولی بھی ہو گئے، شاہ صاحب بھی ہو گئے، اور خبر نہیں کیا کیا ہو گئے، میں یہ کہتا ہوں دنیا میں اور خدا کی نظر میں اس سے بدتر کوئی آدمی نہیں ہے جو دین کی آڑ میں لوگوں کو ٹھگے اور یتیموں کا مال غصب کرے -

اس سے بھی زیادہ دلچسپ بیان جس سے مذہب صوفیہ کا اور بھی صاف صاف نقشہ معلوم ہو، محمد المصری کی کتاب سے اس سوال و جواب کو نقل کرتا ہوں جس سے اور بھی صوفیوں کے خیالات کا ناظر بخوبی اندازہ کر لے گا (یہ مصری مصنف الہامیہ طریقہ کا ہے) -

سوال :- تصوف کی ابتدا کیا ہے ؟

جواب :- ایمان جس کے چھ ارکان ہیں یعنے (۱) خدا میں یقین (۲) اس کے فرشتوں میں یقین (۳) کتابوں پر جو انبیاء پر نازل ہوئیں (۴) انبیاء علیہم السلام پر (۵) روز آخر پر (۶) نیکی اور بدی کو خدا کے حکم میں سمجھنے کا یقین -

(س) تصوف کا نتیجہ کیا ہے ؟

(ج) یہ نہیں ہے کہ ان ایمانی ارکان کو زبان سے بچے جائیں بلکہ یہ ہے دل پر ان کا گہرا گہرا نقش ہو یہی جواب جب ان سے یہی سوال کیا گیا تھا جنید البغدادی نے بھی دیا تھا -

(س) صوفی اور معمولی آدمی میں کیا فرق ہے ؟

(ج) معمولی شخص کا ایمان ایمان تقلیدی ہوتا ہے، صوفی کا ایمان ایمان تحقیقی ہوتا ہے -

(س) ایمان تقلیدی سے تمہارا کیا مطلب ہے ؟

(ج) اس سے ہمارا مطلب یہ ہے معمولی شخص ایمان کی بابت جو کچھ سیکھتا ہے اپنے باپ دادوں سے سیکھتا (بقیہ ص۱۷۰) .

مظالم توڑے گئے، تم جو کچھ تم پر گزری ہے بیان کیوں نہیں کرتے ہیں بھی پردیسی ہوں اگر مجھے اطلاع ہو جائے گی تو میں ان کے بے رحم پنجہ سے نجات پاؤں گا۔ مجھ سے چھپانا عبث ہے۔ یہ تقریر سن کے خاموشی سے بوڑھے نے ساری کیفیت بیان کی اور کہا قدیم سے ہم ملتان کے رہنے والے ہیں وہاں کے حاکم نے ہمارا گھر لوٹ لیا اور جلا دیا ہم لاہور گئے تھے شاید رنجیت سنگھ ہماری فریاد سنے وہاں اور بھی بے عزتی ہوئی۔ ہماری ڈاڑھیاں گدھے کے بول سے منڈوا دی

(بقیہ ۱۶۹) یا اپنے زمانہ کے معلموں اور استادوں سے کچھ اسے حاصل ہوتا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا اس کی وجہ کیا ہے کہ انسان ایمان کے چھ ارکان پر دل سے یقین رکھنے کو اپنی نجات کی کنجی جانتا ہے اس کی مثال یہ ہے ایک شخص بازار میں جا رہا ہے اُسے ایک لعل اتفاقاً مل گیا یہ وہ لعل ہے جو بڑے بڑے شاہوں کو نصیب نہیں، بڑے بڑے حکمران تلاش کرتے کرتے مر گئے لیکن انہیں نہ ملا، پانے والے نے اُسے لعل شب چراغ پایا اس کی روشنی کو دیکھا جو آفتاب سے ٹکر کھاتی ہے اور چاندنی کو دھندلا کر دیتی ہے، صاحب وہ اندھیری رات میں رکھتا ہے، تمام مکان جگ جگ کرنے لگتا ہے یہ سب کچھ ہے اس ساری صفت کو بھی پانے والا اپنے لعل میں دیکھتا ہے لیکن اس کی قیمت نہیں جانتا اور اسے کچھ بھی مال نہیں سمجھتا، اس کی نگاہ میں اس لعل کی اتنی بھی قدر نہیں ہے اگر پیاسا ہو تو سقہ کو ایک پیاس کی عوض دے دینے میں ذرا بھی دریغ نہ کرے گا۔

(س) ایمان کا قیام کیا ہے؟

(ج) ایمان کا قیام اس تفتیش کے ساتھ شامل ہے جو ایمان کے ہر رکن کی اصلیت دریافت کرنے پر کی جاتی ہے یہاں تک کہ تفحص کناں اس منزل تک جا پہنچتا ہے جس کو منزل حقیقت کہتے ہیں۔ یہیں ایمان کا قیام ہوتا ہے۔ بکثرت لوگ اس راہ میں دس بیس چالیس برس تک راستہ طے کرتے ہیں لیکن حقیقت ایمان کا اُنہیں کہیں پتہ نہیں لگتا وہ غلط منزل پر پہنچتے ہیں اور اس راہ سے ۷۲ راستے جاتے ہیں جن میں صرف ایک حقیقت کا راستہ ہے آخر کار مرشد کی کامل تعلیم کی تبعیت کے وسیلہ سے وہ گم شدہ لعل کی قیمت کی جانچ کرتا ہے اور پھر ایسے ایک شخص کا یا اشخاص کا ایمان عیاں اپنی تابانی دکھانے لگتا ہے اور یہ تم خیال کر سکتے ہو کہ وہ ایک چراغ کی روشنی سے آفتاب کی روشنی تک پہنچ گئے۔ پھر اُنہیں معلوم ہوا کہ طریقت شریعت اسلام کے ہو بہو مطابق ہے۔

(س) ایمان اور عبادت کے معاملات میں صوفیوں کا کس طریقہ یا مذہب سے تعلق ہے؟

(ج) اس سوال کا جواب مصنف نے سنی مذہب کے اصول کے موافق دیا ہے اور وہی معمولی جو آپ نے ہر سنی (باقی بر صفحہ ۱۷۱)

گئیں، اور سارا سامان چھین کے ہمیں نکال دیا ہم روتے پیٹتے امرتسر آئے کہیں حاکم ملتان کا رشتہ دار یہاں رہتا ہے اس ظالم نے ہمارے گھر آگ لگانے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ امرتسر اپنے رشتہ دار شیر سنگھ نامی کو لکھ بھیجا اگر فلاں فلاں شخص آویں تو اُن کی عورتیں اور اسباب چھین کے اُنہیں شہر بدر کر دینا۔ ہم پرسوں امرتسر داخل ہوتے ہی گرفتار کئے گئے۔ ہماری عورتیں چھین لی گئیں، اور جو کچھ ہمارے پاس رہ گیا تھا وہ بھی سب رکھوا لیا۔

(بقیہ حاشیہ) دے سکتا ہے شیعوں کے من گھڑت غلیظ مسائل کرنے کے کیا کرتا جس پر بعض یورپین اعتراض کرتے ہیں یہ ان کی غلطی اور اسلام کے اصول سے ناواقفیت کی وجہ ہے۔

(س) جب بایزید بسطامی سے دریافت کیا گیا آپ کا مذہب کیا ہے اُنہوں نے جواب دیا تھا میرا مذہب اللہ کا مذہب ہے اس جواب کے معنے کیا ہیں۔ یا اس جواب سے بایزید کا کیا مطلب تھا۔

(ج) خدا کے مذہب چار راسخ الاعتقاد مذہب اسلام کے ہیں (ہمارے صوفی نے مذہب صوفیہ سے اس جواب میں صاف گریز کی ہے اور حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کی طرف آجھکا ہے۔ جس کے مقلدوں کے ایمان کو ایمان تقلیدی کہہ چکا ہے۔ تعجب ہے ایسی گریز کیوں کی گئی۔

(س) اکثر صوفیوں نے اپنی نظم میں وہ الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے مذہب تناسخ کے وہ قائل تھے مثلاً وہ لکھتے ہیں بعض وقت بیج تھا اور پھر نباتات ہوا، اور پھر جانور بنا اس کے بعد انسان ہوا اس کا کیا مطلب ہے۔

(ج) بھائی ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت آئندہ زندگی میں جماعتوں میں اٹھے گی یعنے کوئی بندروں کی جماعت میں اٹھے گا اور کوئی سوروں کے گروہ میں یا دوسری صورتوں میں جیسے کہ قرآن کی اس آیت میں لکھا ہوا ہے "(قیامت کے دن) ہمارے آگے گروہوں میں تم آؤ گے" بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھا ہے جن لوگوں نے اپنے جس قسم کے حیوانی جوشوں کی اپنی زندگی میں متابعت کی ہے وہ قیامت کے دن ان ہی جانوروں کی صورت میں اٹھیں گے، مثلاً خنزیر کی سی حریص ناپاک طبیعت جس شخص کی ہوگی یا شتر کینہ جس فرد بشر کی طبیعت کا خاصہ ہوگا چغل خور یا نقصان رسانی میں مثل بندر کے ہوگا (گو زندگی میں ان لوگوں کی صورت انسانی ہوگی لیکن) ان کا حشر ان ہی جانوروں کے ساتھ ہوگا جس کی طبیعت وہ رکھتے تھے۔

ہمیں چاہیئے آئندہ زندگی کی اس قہرناک حالت سے بچیں اور جو صفات اور طبائع ہم ارذل مخلوق کی دیکھیں [illegible]

اب ہم بہت ہی لاچار ہیں نہ پائے رفتن نہ روئے ماندن کا مضمون ہے۔ یہ دردناک بپتی کہہ کے وہ رونے لگے، مولانا شہیدؒ نے انہیں صبر دیا، گو آپ کا دل بھر آیا تھا مگر آپ نے بہت مستعدی سے اپنے کو روکا، اور جہاں تک ممکن ہوا انہیں صبر دینے کی کوشش کی۔ غرض تین چار بجے شب کو وہ مہترانی کے دو چار پیسے بھگتا کے روتے ہوئے اور چلتے وقت مولانا شہیدؒ کے دریافت کرنے پر انہوں نے یہ کہا ہم انگریزی عمل داری میں جا کے قیام کریں گے۔ یہ گفت و شنید گو

(بقیہ صفحہ) جہاں تک ممکن ہو ان کا اثر ہونے دیں اور اپنی پاک روح کو ان برائیوں کی آلائش سے بچاتے رہیں، اسی لحاظ سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "سونا موت کا بھائی ہے"

مردہ شخص اپنے آپ کی اصلی اصلی حقیقت کو دیکھ لیتا ہے، اور اپنی ذات کی عادات وصفات کا اندازہ اسے خوب ہو سکتا ہے، اسی طرح سونے میں وہ اپنے خیالات اور دلی جذبوں کا پرتو ملاحظہ کرتا ہے۔ مثلاً محاسب زر جب خواب دیکھے گا اپنے کو اپنی ہی کام کی ادھیڑبن میں مستغرق پائے گا، اس نظر سے خدا نے آگاہ کر دیا ہے کہ اپنے کو حیوانی ولولے یا تبذل استغراق میں محو نہ کردو، تمہیں بھی مرنے کے بعد وہی اپنے خیالات کا پرتو دیکھنا پڑے اس کو یہ صرف عبادت اور نیک نیتی کی بندگی سے ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی نیند میں حیوانیہ جوش اور ناپاک جذبوں سے اپنے کو علیحدہ پا کے زندگی کے مرتفع حصہ پر جو عین انسانیت ہے پہنچا ہوا دیکھے گا۔ اگر خواب میں تم ایک بندر دیکھو تو اسے خدا کی طرف سے اس بات کے لئے ایک تازیانہ سمجھو اور اپنے دل سے نقصان کرنے کی عادت نکال ڈالو اور ہرگز ایسا نہ کرو کہ تمہارے سبب سے کسی کا نقصان ہو یا دل دکھے۔ اگر سور کی صورت دیکھو تو اپنے دل سے حریصانہ جوش اور بے شرمی کو نکال کے پھینک، اور بچے بے لوث پاکباز مرشد کے حوالہ کردو جو اپنی پاک دل کی عادت میں تمہاری برائیاں تمہارے خوابوں میں دکھلائے گا۔

یہاں تک ایک کے بعد ایک تم ترک کرتے چلے جاؤگے بعد ازاں برائیوں کی جگہ نمبروار نیکیاں لے لینگی خدا کے فضل سے جب تمہاری ساری برائیاں دھوئی جائیں گی اور تم ذکر شروع کروگے تو پھر تمہیں خوابوں میں ولیوں اور خدا کے نیک بندوں کی صورتیں نظر آئیں گی جو نظر آنا اس امر کا شاہد ہوگا کہ تمہارا دل غلیظ کدورتوں سے پاک ہوگیا اور تو تخم نے تمہارے دل میں پاکی کے ساتھ اپنا گھر کر لیا۔ تمہارے سوال کا کہ اکثر شاعر تبدیل ابد ان کی بات لکھ لیتے ہیں، یہ جواب ہے بھی صوفیوں کا منشا اور اسی قسم کی تحریر ہے وہ انسان کو اشرف الموجودات سمجھتے ہیں اور ان کا یقین ہے کہ انسان کی ذات میں اعلیٰ درجہ پر بتدریج پہنچنے کا مادہ موجود ہے اور کائنات کی (باقی برصفحہ)

ایک معمولی تھی مگر مولانا پر اُس نے غیر معمولی اثر کیا اور اب آپ کی تیز تیز انتقامی نظریں سکھوں کی طرف اُٹھنے لگیں پھر بھی اس ارادے کے پورے نے اپنے کو منبط کیا، اور اپنی طبیعت کو زیادہ برافروختہ نہ ہونے دیا، گو آپ جانتے تھے سکھوں کی ایسی زبردست قوت کے مقابلہ میں ہم کچھ نہیں کر سکتے، پھر بھی آپ کا پُر بھروسہ دل سب سے زیادہ قوی اور منتقم حقیقی کی طرف لگا ہوا تھا، اور خود بخود اس تیقن کا دل سے چشمہ اُبل رہا تھا کیا عجب ہے جو سکھوں سے مسلمان اپنے

(بقیہ صفحہ) بعض قسمیں اس میں ہیں، بہت سی مختلف کتابیں اس مضمون پر لکھی گئی ہیں اور ان میں یہ ثابت کیا گیا ہے خدا کی کائنات کا انسان سب سے بڑا حصہ ہے اور تمام مخلوق اس کے آگے چھوٹا سا حصہ ہے، انسانی ہیولیٰ میں اور مخلوق کے حصے بھی شامل ہیں اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان قوس قزح سے بھی زیادہ کشادہ ہے، کیونکہ جب انسان اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے، اپنی ضمیری قابلیت سے تمام شہر کو آناً فاناً میں اپنے ذہن میں جگہ دے لیتا ہے گو وہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتا یہ صرف ضمیر کی لاثانی قابلیت کا طفیل ہے جن کتابوں میں کشادگی کے ساتھ یہ مضامین بیان ہوئے ہیں: ان میں سب سے زیادہ مشہور کتاب حوض الحیات ہے اس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اگر انسان اپنی آنکھیں، کان، نتھنے بند کر لے تو اسے سردی ہرگز نہ معلوم ہو، دائیں نتھنے کو آفتاب اور بائیں کو چاند کہتے ہیں، سابق الذکر سے وہ سانس کے رستہ حرارت گھسیٹتا ہے اور بائیں سے خنک ہوا۔

(س) صوفیوں کی تناسخ کے بارے میں مختلف رائے کا بیان فرمایئے؟

(ج) اے بھائی ہماری تعلیم برزخ نے تناسخ کو ہیچ اور ناکارہ ثابت کر دیا ہے دنیا میں جو مذہب تناسخ کا قائل ہے اسے بدترین مذہب میں سے سمجھنا چاہیئے۔

(س) صوفی ان خاص چیزوں کو جو قانون شریعت نے منع کی ہیں جائز سمجھتے ہیں مثلاً مغبچہ بادہ فروش کی دکان پر مے خواری کھلم کھلا کرتے ہیں، عشق بازی میں نہیں چوکتے وہ اپنے دلرباؤں کی بلدار زلفوں کی مدح سرائی میں رطب اللسان دیکھے گئے ہیں وہ گورے گورے رخساروں کے تلوں کی توصیف چٹخارے بھر بھر کے کرتے ہیں اور مزے لے لے کے بلا انگیز حسن کی ثنا کرتے ہیں وغیرہ اور قرآنی آیتوں سے ان کی خمدار ابروؤں کو مشابہت دیتے ہیں اس کا مطلب کیا ہے؟

(ج) صوفی اکثر تمام چیزوں کے اندرونی خال خط کا بیرونی اشیاء کے بیرونی خال خط سے تبادلہ کر لیتے ہیں یعنے جسمانی کا روحانی سے۔ اور اس طرح بیرونی اشکال کا خیالی خاکہ کھینچتے ہیں وہ چیزوں کو ان کی فطرتی سنت اللہ صفات اعلیٰ پر رکھتے)

بھائیوں کا انتقام لیں، غرض کئی دن کے عرصہ میں آپ نے امرتسر میں سکھوں کے برتاؤ کی پوری کیفیت دریافت کر لی یہ صاف عیاں تھا کہ اسلام کی سکھوں کی سلطنت میں جیسی توہین ہوتی تھی دنیا میں مسیحی متعصب حکمرانوں کے زمانہ میں بھی ایسا نہ ہوتا ہوگا۔ سینکڑوں شریف خاندان جلاوطن ہو کے انگریزی عملداری میں چلے گئے تھے، کوئی صورت ایسی نہ تھی جس سے سکھوں کے رحم کو مسلمانوں کی طرف جنبش ہوتی، دن دیہاڑے نمازیوں پر مسجدوں میں غلیظ پھینکنا

یہ ...زمین تفکر کرتے ہیں اور اس وجہ سے ان کے اقوال کا بہت بڑا حصہ روحانی اور پراز استعارہ معنی میں سمجھنا چاہیئے۔ مثلاً حافظ ہی کو لو جب وہ شراب کا ذکر کرتا ہے، اس سے علم خدا سے مطلب ہوتا ہے جسے استعارہ کے طور پر عشق اللہ پر س کا اطلاق کر لیتے۔ شراب سے بھی محبت کا استعارہ ہی سمجھنا چاہیئے۔ یہاں عشق و محبت ایک معنے رکھتے ہیں۔

جہاں وہ مے خانہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس سے مراد مرشد کامل ہوتا ہے اور جام مے سے مراد تلقین ہے جو اس جملہ پر زیادہ تر موقوف ہے "لا الٰہ الا اللہ" جس مرشد کامل کی زبان سے یہ مقدس کلمہ نکلے نہ صرف زبان سے بلکہ اس کے جسم کا ہر سر مو زبان بن کے یہی کہے اسے سالک کہتے ہیں جو سچے راستہ کا تعقب کرتا ہے۔ ور اپنی روح اور دل کو روحانی شادمانیوں سے لبالب بھر دیتا ہے۔ معشوق اور دلبر سے مراد مرشد ہے۔ اس واسطے جب کوئی شخص اپنے پیارے دلبر کو دیکھتا ہے وہ اس کی کامل متناسب الاعضائی کی اپنے محبت بھرے دل سے صفت ثنا کرتا ہے مگر اس کے مقابل میں سالک خدا کے پوشیدہ علم کو دیکھتا ہے جو اس کے روحانی مرشد کے دل کو اپنے جلال سے بھر دیتا ہے گو اس کو اب الہام بھی ہونے لگتا ہے اور اکثر پوشیدہ باتیں جو اسے معلوم ہیں خوب ...تا ہے پھر بھی اپنے استاد کے آگے شاگردوں کی طرح تعلیم حاصل کرتا ہے۔ جیسے عاشق اپنے معشوق کے موجود ...نے سے پھولا نہیں سماتا، اسی طرح سالک اپنے مرشد کی صحبت میں اس سے بھی زیادہ روحانی احتظاظ حاصل ...تا ہے۔ معشوق دنیاوی محبت کی ایک چیز ہے اور مرشد روحانی عشق کا سرچشمہ ہے، معشوق کی پیچ در پیچ زلفیں ...شد کی پسندیدہ اور مقبول تعریفیں ہیں جن سے مرید کی محبت کے پیروں میں بیڑیاں پڑ جاتی ہیں، خال رخ اور ...م چہرہ کے حسن بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب مرید اپنے مرشد کی ذات میں تمام دنیاوی چیزوں کی عدم موجودگی ...ھتا ہے وہ بھی پھر دنیا کی مقناطیسی کشش رکھنے والی اشیاء سے رشتۂ موانست توڑ دیتا ہے اور پھر اپنی ...ادگی سے اس حصہ پر پہنچ جاتا ہے کہ جہاں اسے سوائے مرشد کے دوسری چیز کی ذرا بھی خواہش نہیں رہتی۔ ...ن خم دار بھوؤں کی تشبیہ وہ آیات قرآنی سے دیتے ہیں اس سے ان کی مراد مرشد کے دل کی روشنی ہوتی ہے جو باقی بر (

ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے مسلمانوں اور اُن کے مذہب سے کیسا برتاؤ کیا جاتا ہوگا، چوڑی (مہتزانی) اُن کے گھر میں کمانے کے لیے جا سکتی تھی، اور گھر کی دہلیز اس کے آنے سے دہلتی نہ تھی، اس کے خلاف مسلمان کا ان کے فرش یا زمین پر قدم رکھنا ان کے کل گھر اور اس کے سامان ناپاک کرنے کا پورا سبب تھا، ان کے گرو نانک نے کب ایسی تعلیم دی تھی، اول دن سے وہ مسلمانوں کا نمک خوار تھا اور جو کچھ اُسے روحانی تعلیم حاصل ہوئی وہ شیخ فرید کی بزرگ صحبت سے اس

(بقیہ صفحہ) اس واسطے خدا کی صفتیں ہیں جن کی ہمارے نبی نے ہدایت کی ہے تم ربانی صفات اور خصوصیات سے موصوف ہونے کی کوشش کرو جو مرشد کے قبضہ میں ہیں۔

(س) اکثر مرشدوں اور ان کے مریدوں کو یہ کہتے سنا ہے "ہم نے خدا کو دیکھ لیا کیا خدا کا دیکھ لینا ممکن ہے۔

(ج) یہ ممکن نہیں ہے اس بیان سے ان کا مطلب یہ ہے وہ خدا کو جانتے ہیں، وہ اس کی بے نظیر اور زبردست جبروت کو دیکھتے ہیں اس واسطے فانی آنکھیں اس کے پرتنویر جلال کو نہیں دیکھ سکتیں۔ قرآن مجید میں صاف طور پر موجود ہے۔ "کوئی آنکھ اس تک نہیں پہنچ سکتی" ہمارے فخر انبیاء، امین خدا نے ہمیں ہدایت کی ہے۔ تم خدا کو اس طرح سجدہ کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو گو تو اسے نہیں دیکھتا مگر وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے، اور حضرت علیؓ نے فرمایا ہے "کاش میری آنکھوں سے نقاب اُتر جاتی تو میں اپنے رب کا دیدار دیکھ لیتا" اس مقولہ سے صاف ظاہر ہے جب حضرت علی خدا کا دیدار نہ دیکھ سکے تو اور کون دیکھ سکتا ہے۔

(س) کیا یہ صحیح اور ممکن ہے کہ کسی شخص کے قدموں کے کھوج سے ہم اسے دیکھ بھی سکیں۔

(ج) ہاں خاص طور پر اس طرح دیکھ سکتے ہیں جب کوئی شخص آفتاب کی روشنی دیکھتا ہے اس نے گویا آفتاب ہی کو دیکھ لیا اگرچہ اس نے اصلی طور پر آفتاب کو نہیں دیکھا، اور مثال لو مثلاً تم ہاتھ میں آئینہ لے کے اس میں اپنی شکل دیکھو بظاہر تم یہ سمجھتے ہوگے میں اپنا چہرہ دیکھ رہا ہوں۔ لیکن درحقیقت تم اپنا چہرہ ہرگز نہیں دیکھ سکے

(س) جبکہ ہر شخص خدا کے کھوجوں کو دیکھ سکتا ہے یعنی ہر متنفس ان کھوجوں کے دیکھنے کی قابلیت رکھتا ہے پھر صوفی یہ دعویٰ کیوں کرتے ہیں۔ ہمارے سوا کوئی خدا کے کھوجوں کو نہیں دیکھ سکتا۔

(ج) جو لوگ یہ بیان کرتے ہیں (صوفیوں سے مطلب ہے) وہ نہیں جانتے کیا وہ کہہ رہے ہیں حقیقت حال یہ ہے وہ خدا کو نہیں دیکھ سکتے مثلاً ایک شخص نے شیریں اور خوش ذائقہ چیز کھائی، جب دوسری بار اسی لذیذ چیز کے کھانے کو جی چاہا جب کہ اس کا نام نہ جانتا تھا، اب بڑی پریشانی ہوئی وہ اس کی تلاش میں آوارہ سرگردان (باقی صفحہ)

پاکباز مرد نے نہ کبھی مسلمانوں کو ستایا نہ اُن کے دین کی توہین کی بلکہ اس نے قرآن کے من اللہ ہونے کی ہمیشہ ہر موقع پر بہت زور شور سے شہادت دی، مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو نماز پڑھتا تھا اور قرآن سنا کرتا تھا یہ صحیح ہے کہ وہ لکھا پڑھا کچھ نہ تھا پھر بھی اس کا یہ خیال قابل توقیر تھا کہ سب کو اس ایک خدا کی پرستش کرنا سکھا دوں جس کی گواہی قرآن مجید دیتا ہے وہ ہندوؤں کے خیالات کا مخالف تھا، اس نے زنار گلے میں نہیں ڈالا نہ کبھی ماتھے پر قشقہ لگایا بلکہ وہ ہندوؤں کو

(بقیہ صفحہ پھر نکا مگر نہ جاننے کی وجہ سے اسے اپنی مطلوبہ چیز کا کھوج نہ ملا اسی طرح وہ لوگ ہیں جو خدا کے بغیر جانے اس کے نقش پا کی تلاش میں پھرتے ہیں اور نہیں ملتا۔

(س) بعض صوفی یہ بیان کرتے ہیں ہمیں نہ جنت کی خواہش ہے نہ دوزخ کی پرواہ اس کے کیا معنی ہیں، یہ سخت خیرہ چشمی اور خدا کی جناب میں بے ادبی کا کلمہ ہے۔

(ج) اس کہنے سے ان کا اصلی مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم نہ دوزخ سے ڈریں نہ جنت کی خواہش رکھیں، اگر اس کہنے سے ان کی اصلی غرض یہی ہو تو بے شک یہ کلمہ کفر ہے۔ ان کے الفاظ کا مفہوم وہ نہیں ہے جو ظاہراً معنی میں پایا جاتا ہے بلکہ اس کہنے سے ان کی اصلی غرض یہ ہے۔ خدایا تو ہی ہے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اور ہمیں بنایا ہے جو کچھ ہم ہیں تو نے ہمیں اس لئے نہیں بنایا ہے کہ ہم تیری تیرے کاموں میں مدد کریں ہمارا تو یہی فرض حقیقی ہے کہ ہم تیری بندگی کریں، سب سے زیادہ تیری راہ میں اپنے کو فنا کر دیں، تیری پاک مرضی کی زنجیر میں اپنے کو بالکلیہ مقید کر دیں ہم تیرے ساتھ معاملہ نہیں کرتے نہ ہم اس نظر سے عبادت کرتے ہیں کہ ہمیں بہشت ملے یا دوزخ میں نہ ڈالے جائیں جیسے کہ قرآن مجید میں موجود ہے،" یقیناً خدا نے مومنین سے ان کی دولت اور جانوں کو بہشت کے بدلے خرید لیا جو انہیں دی جائے گی، اس کے اصلی معنی یہ ہیں خدا کی جود و کرم کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس کے رحم کی کہیں انتہا نہیں، اور اس طرح وہ اپنے ایمان دار بندہ پر ربانی نوازشات نازل فرماتا ہے۔ اور اس کی ذات کو اس سے فائدہ دیتا ہے، وہ کہیں گے تو کسی کے ساتھ معاملہ نہیں کرتا تیری عبادت ہم اپنے دل کی راست بازی اور اخلاص سے کرتے ہیں، اور صرف تیری ہی محبت کے ہم پابند ہیں۔ مثلاً یہ شعر یہاں بخوبی صادق آتا ہے ؎

صوفی بہشت و دوزخ بر عاشقاں حرام است ہر دم رضائے جاناں رضوان شد ہست یارا

چاہے جنت ہو یا نہ ہو دوزخ ہو یا نہ ہو تو بھی ہمارا تو یہی فرض ہے کہ ہم تجھے اپنے پورے دل (باقی ص ۱۸۶)

مسلمان بنانے کے لئے یہ کہا کرتا تھا۔ ہندو مسلمانوں کا خدا ایک ہے، سکھوں کی تمام مقدس کتابوں سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ گرو نانک کی زندگی کا بہت بڑا حصہ بلکہ قریب کل کے مسلمان فقراء اور صوفیوں کی بابرکت صحبت میں گزرا، وہ ہندوؤں سے ان کی اصلی تعلیم کی رُو سے متنفر تھا اور اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتا تھا، دنیا میں ہزاروں مصلح اور مختلف گروہوں کے بانی گزر گئے لیکن آج تک یہ کہیں نظر نہیں آیا کسی فرقے نے اپنے بانی کے اصول سے ایسی علانیہ

انحراف کیا ہو اور پھر بھی اس کا پیرو کہلائے۔ سجدہ کریں، تجھ ہی کو اے غفار، اے رحیم پورا استحقاق حاصل ہے چاہے ہمیں دوزخ میں ڈال چاہے جنت میں بھیجے، اور آرزو ہے تیرے احکام تیری مرضی کے مطابق نافذ ہوں۔ اگر تو ہمیں بہشت میں رہنے کا حکم دے یہ تیری نوازش ہے۔ یہ ہم کبھی نہیں سمجھتے کہ ہماری عبادت کا سبب ہے کہ ہم جنت میں گئے، اگر تو ہمیں دوزخ میں بھیجے یہ بھی تیرا عین انصاف ہے کسی کا زور نہیں ہے کہ اس پر انگشت اعتراض دراز کر سکے۔ اگر بخشے زہے رحمت نہ بخشے تو شکایت کیا، سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔

(س) تو نے کہا ہے شریعۃ اور حقیقۃ میں اختلاف نہیں ہے اور تاہم ان دونوں میں امتیاز کلی موجود ہے اور صوفیا کا یہ مذہب ہے کہ اللہ کی حقیقت میں بڑی بڑی باریکیاں مضمر ہیں۔

(ج) باریکیاں مضمر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ شریعت اور حقیقت میں تبائن یا باہم کچھ امتیاز بھی پایا جائے اس میں شک نہیں اس کے معنی ہر شخص نہیں سمجھ سکتا اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، تم لوگوں کو ان کی ضمیری قابلیتوں کے موافق فہمائش کرو، کیونکہ تمام باتوں کی ہر شخص کے آگے توضیح کرو گے، ان میں سے بعض تمہاری باتیں نہ سمجھیں گے اور پھر غلطی میں پڑ جائیں گے، اسی لئے صوفی بھی حقیقت کی ان باتوں کو چھپاتے ہیں جو کسی کی عقل میں نہ آسکیں اور جو ان باتوں کو سمجھتے ہیں انہیں وہ بتا بھی دیتے ہیں، لیکن عام طور پر ان کی تلقین نہیں کرتے۔

(س) کیا وہ علوم جو صوفی جانتے ہیں اور کوئی نہیں جان سکتا اور تاہم وہ ان ہی احکام پر عمل کرتے ہیں جو شریعت صاف طور پر انہیں بتاتی ہے، اور اس میں ان کا اطمینان بھی ہو جاتا ہے کیا ایسے لوگوں کا ایمان اور اسلام صوفیوں کے ایمان اور اسلام سے کم درجہ کا متصور ہو سکتا ہے۔

(ج) نہیں ہرگز نہیں پابند شرع کا ایمان اور اسلام کبھی صوفی کے ایمان اور اسلام سے کم درجہ کا نہیں ہو سکتا۔ صوفی تو صوفی اس کا ایمان اور اسلام خود انبیاء علیہم السلام کے ہم پلہ ہوگا۔ کیونکہ ایمان اور اسلام ایسے عجوبہ باقی صفحہ پر

روگردانی کی ہے کہ اس کی ایک بات کو بھی ماننا اپنے اوپر حرام سمجھ لیا ہے اور زبانی یہ دعوے ہو ہم گرونانک کے چیلے ہیں - یہ بالکل غلط ہے ، مسلمانوں نے اول اول سکھوں کو ستایا ہو، تاریخ شہادت دیتی ہے مسلمانوں کا برتاؤ ہمیشہ سکھوں کے ساتھ دوستانہ بلکہ بھائی چارے کا رہا، ہاں ان آخری گرونانک کے جانشینوں نے جنہوں نے اپنے اُستاد کے اصول سے علانیہ روگردانی کی، سکھوں کو ناحق مسلمانوں کا خدا واسطہ خون کا پیاسا بنا دیا۔

(بقیہ ص۱۷۷) جن کے اجزا ہی نہیں ہو سکتے نہ وہ بڑھ سکتے ہیں نہ ان میں کچھ کمی واقع ہو سکتی ہے جیسے کہ آفتاب سے جس طرح شاہ مستفیض ہو سکتا ہے ، اسی طرح فقیر بھی استفادہ پاتا ہے یا جیسے دولت مند اور غریب کے اعضاء شمار میں برابر ہیں اور جیسے کہ شاہ کے جسم کے اعضاء اور اُس کی رعیت کے اعضا ہو بہو مشابہ ہیں اسی طرح ایک مسلمان کا ایمان وہی ایمان ہے جو عوام مسلمانوں کا ہے کسی حالت میں وہ کم زیادہ نہیں ہو سکتا۔

(س) بعض آدمی پیغمبر، اولیاء اور پاکباز ہیں اور بعض فاسق ہیں ان میں باہم کیا فرق ہے ؟

(ج) ان میں باہم اگر فرق ہے تو صرف معرفت یعنے روحانی چیزوں کے جاننے میں لیکن ایمان کے معاملہ میں وہ سب برابر ہیں ٹھیک جس طرح کہ شاہ اور رعیت کے شمار اعضاء میں فرق نہیں ہے مگر لباس ، قوت اور عہدہ میں تفاوت ہے فقط -

ان سوال و جواب سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ بزرگ صوفیوں کے مذہبی اصول کیا ہیں اور مولانا شہیدؒ کے زمانہ میں ظاہر دار صوفیوں کی کیا کیفیت تھی - یہ الزام جو مولانا شہید پر لگایا جاتا ہے کہ وہ صوفیوں اور تصوف کے دشمن تھے محض لغو اور ہٹ دھرمی کا ہے اس لحاظ سے وہ اعلیٰ درجہ کے صوفی تھے اور ہم ایسے تصوف کو عین اسلام کہتے ہیں اس پاک تصوف کا پنجاب میں کہیں بھی رواج نہ تھا ، تصوف کا بڑا اصول اس خدائے واحد کو ماننا ہے ، جس کی قرآن شہادت دیتا ہے مگر ان ظاہر دار ہندی یا پنجابی صوفیوں نے اس بات کو بالکل ہی اڑا دیا تھا ، وہ گور پرستی اور رنگین کپڑے پہننے عین تصوف خیال کرتے تھے ، حالاں کہ بزرگ صوفیوں نے نہ کبھی ایسا کیا نہ اس کے کبھی وہ شائق دکھائی دیئے ، ان کا ظاہر نہایت سادے سیدھے کپڑوں سے آراستہ تھا ہاں ان کا باطنی لباس خوب فوق البھڑک تھا - مجھے ظاہر دار صوفیوں کے ذکر میں کلام ہے جنہوں نے خدا کی عبادت کو بالکل تھیٹر کی سی صورت بنا لیا ہے - جو در اصل تصوف کے بانی ہیں ، اُنہوں نے کبھی خدا کی عبادت کو ایسا تماشا نہ بنا لیا تھا کہ لوگ ہزاروں کوس سے سیر دیکھنے کے لئے جائیں اور خوف کھا کھا کے بھاگیں (رواتی برص۷۹)

ایک دن مولانا شہیدؒ ایک سکھ حلوائی کی دکان پر دودھ لینے گئے، ناواقفیت سے آپ اُس کی دکان کے ذرا قریب پہنچ کے دودھ کے لئے پیسے دینے لگے حالانکہ ابھی آپ کے بڑھنے کا اور بھی ذرا آگے ارادہ تھا، کیونکہ دکاندار بہت دور تھا اس تک ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا اس نے اتنے ہی دور سے غل مچانا شروع کیا اس موسلے نے میرا دودھ کا کڑھاؤ ناپاک کر دیا، اس وقت خیر ہی ہوئی ایک شخص مسلمان اس طرف آنکلا اور اُس نے چپکے سے دو چار روپے دے کے فیصلہ کر دیا

(بقیہ حاشیہ) کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کوئی صوفی بشرطیکہ اصل تصوف پر پورا عمل درآمد کرتا ہو قبر پر ناچا ہو یا بے ریش مُروت اور خوش الحان قوالوں کی آوازوں پر گتیں بھری ہوں۔ ہمارے مولانا شہیدؒ نے اپنے سفر پنجاب میں صرف برائے نام صوفیوں یا پہنچے ہوئے فقیروں کا جو کچھ شیوہ دیکھا وہ یہ تھا کہ وہ رنگین کپڑے پہن کے اور بڑی بڑی زلفیں بڑھا کے گور پرستی کریں اور گنواروں کو زبردستی قبروں کے آگے سجدہ کرنے پر مجبور کریں تصوف جس کا دوسرا نام شریعت محمدی ہے گو بعض اجزا نہایت مغلق اور بعید الفہم اس میں آمیز ہو گئے ہیں پھر بھی ایک چیز ہے بظاہر دونوں میں بعض بعض حالتوں میں تباین پایا جاتا ہے لیکن سمجھنے والے سمجھتے ہیں ان دونوں کی نوعیت ایک ہی ہے۔ جیسا نفس اسلام کل مذہبوں کا عطر ہے، اسی طرح تصوف تمام مذہبوں مثلاً ہندوؤں کے ویدانت اور مسیحی انکسارانہ مذہبی اصول کے عطر کا مغز ہے۔

علاوہ ان صوفیوں کے مشرقی اسلامی دنیا میں فقرا بھی قسم قسم کے موجود ہیں اور وہ بھی قریب قریب صوفیوں کے یا بالکل ویسے ہی ہیں (گو خفیف طور پر صوفیوں سے بعض باتوں میں نہ ملتے ہوں) ان کی باہم یہاں تک مناسبت ہے کہ جس شخص پر صوفی کے لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہے اسی پر لفظ فقیر بھی عائد ہو سکتا ہے میں چاہتا ہوں ان فقراء کی مختصر کیفیت سے ناظر کو آگاہ کروں جو مولانا شہیدؒ نے پنجاب میں زیادہ تر ملاحظہ کئے اور اس وقت وہ اسلامی دنیا میں بکثرت پائے جاتے ہیں اس سے یہ معلوم ہو جائے گا فقیروں کے اصول کیا ہیں، ان کے فرقے کتنے ہیں، اور ان کے معز بانی کس سنہ میں اور کہاں کہاں پیدا ہوئے چونکہ ہمارے پیارے شہیدؒ نے فقیروں کی حالت کی بھی بہت کچھ اصلاح کی تھی، اور زیادہ تر ہر ملک کا مسلمان کچھ ہندوستان پر ہی موقوف نہیں ہے کم وبیش فقیروں ہی کا معتقد ہے، اس لئے ہمارے مشرقی ناظر کے لئے یہ نہایت ہی دلچسپ مقام ہو گا جہاں وہ ہر فرقہ کے فقیر کا تذکرہ اس کے معز بانی کے ساتھ ملاحظہ کرے گا یہ وہ بیان ہو گا جو عینی شہادت پر مبنی ہے۔ (باقی بر صفحہ ۱۸۰)

ورنہ خبر نہیں کیا ناگہانی آفت مولانا شہیدؒ پر نازل ہوتی۔ اس کی تصدیق ان ریاستوں میں جہاں سکھوں کا اثر اب تک موجود ہے، بخوبی ہوسکتی ہے، جموں وغیرہ میں دیکھ لیا جائے چنے والا تک روادار نہیں ہے کہ مسلمان اس کی دکان کے قریب آئے اور چنے خریدے بلکہ جب کوئی مسلمان لینے جاتا ہے دور سے پیسہ دکھاتا ہے اور زبانی کہتا ہے اتنے کے چنے لوں گا فوراً اس نے چنے تولے اور دونے میں (اس لئے کہ یہاں ہر چیز حتیٰ تیل تک دونے میں آتی ہے)۔

[illegible]) فقیر مسلموں نے اس امر کو بہت دھوم دھام سے ثابت کیا ہے کہ فقیری حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت علیؓ سے نکلی ہے یہ تو محض ناممکن ہے کہ فقیروں کے بیشمار قواعد اور ان کی لا انتہا مذہبی تقریبات اور اصول سے کوئی آگاہ ہووے کیونکہ ان میں باہم اکثر اسلامی ممالک میں ایسی پوشیدہ اور رازدارانہ انجمنیں ہوتی ہیں جہاں کوئی دوسرا شخص کبھی جا نہیں سکتا اور ان کی کیفیت بالکل فرایشن (فری میسن) والوں سے ملتی ہے پھر بھی جو کچھ اپنا ذاتی تجربہ اور مغربی سیاحوں کے سفرنامہ سے ملا ہے اپنے معزز ناظر کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

سنہ[1] ہجری میں ۴۵ اہل مدینہ نے اور مدینہ والوں کی طرح اپنے کو بھی دائرہ اسلام میں داخل کیا، انہوں نے وفاداری اور صداقت کی قسم کھائی کہ ہم نبی اکرم کے اصول پر ثابت قدم رہیں گے، پھر انہوں نے ایک جتھے کے پختہ کی بنیاد ڈالی اور شب و روز مذہبی فرائض کے انصرام اور زہد و ریاضت نفس کشی میں اپنے کو محو کر دیا، اپنے کو دوسرے مسلمانوں سے ممتاز کرنے کے لئے انہوں نے اپنا نام صوفی رکھا۔ یہ نام آخری زمانہ میں نہایت پرجوش مسلمانوں کے ناموں کے ساتھ لیا جانے لگا۔ اور اب تک اس مقدس نام کا اطلاق اس مسلمان پر ہوسکتا ہے جو دنیا کی لذائذ کو نفسانی خواہشوں کے لئے ترک کردے اور اپنے کو نہایت محنت اور مشقت سے خدا کی یاد میں محو کردے یا ہمہ تن اپنے کو عبادت بنالوے۔ صوفیوں نے اپنے نام کے ساتھ فقیر کا لفظ بھی اور ملالیا کیونکہ ان کے مذہب کا اصول یہ تھا جو اس شعر میں ادا ہوا ہے۔ شعر

آنچہ در دنیاست برآزادگان آمد حرام   خاطر جمع است در زیر فلک سامان ما

خدا کی بندگی میں تمام عالم کو بھول جانا صوفیوں کے مذہب کا اصل الاصول ہے۔ وہ نبی اکرم کی اس حدیث پر بڑے ہوئے تھے "الفقر فخری" یعنے فقیری میرا فخر ہے۔ نبی اکرم کے وصل سے پہلے (یعنی زمانہ حیات ہی میں) حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ذکر کے طریق علیحدہ علیحدہ [illegible]

[1] مصنف نے یہاں سنہ کا عدد نہیں لکھا (مصحح)۔

رکھ کے وہ سڑک کے کنارے پر رکھ گیا، مسلمان نے پیسہ اس کے ہاتھ میں ذرا اوپر سے پھینک کے سڑک پر سے دونا اٹھا لیا اور بے چارہ دل میں خفیف ہوتا ہوا گھر چلا آیا، موجودہ زمانہ میں جب یہ کیفیت ہے تو اس زمانہ میں جب سکھوں کے عروج کا شہاب ثاقب چمک رہا تھا کیسی کیفیت ہوگی، مولانا شہیدؒ نے تمام باتوں کو نوٹ کر لیا تھا، اور نہایت حفاظت سے اپنی نوٹ بک کو رکھتے تھے، یہ لا انتہا تنفریہ حد سے زیادہ تلخ تر حقارت انگیز نظارہ اس زہریلی دشمنی

(بقیہ صفحہ ۱) میں ادا کرنے کیلئے بتائے تھے۔ یہیں سے دو گروہ صوفیوں یا فقیروں کے قائم ہوگئے۔ اپنے بستر مرگ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سلمان الفارسی کو طرق ذکر میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور حضرت علی نے اپنا جانشین حسن البصری کو مقرر فرمایا، ان دونوں معزز جانشینوں نے اپنے خلفاء کے ذکر کے طرق کی پوری طور سے تقلید کی اور اپنے کو اسلامی گروہ میں واجب الاحترام اور اعلیٰ درجہ کا زاہد اور متقی ثابت کیا۔ ان میں سے بعض عبادت اللہ کی سرخوشانہ حالت میں ملک بلک گشت لگانے نکلے اور ہزاروں کو اپنا ہمخیال بنایا۔

یہاں تک ان کا لا ثانی جوش دل میں ابلا کر ۳۷ھ میں اویس القرنی قارو (یمن) کے رہنے والے نے ایک دن یہ بیان کیا میں نے فرشتہ جبریل کو خواب میں دیکھا اس نے مجھے خدا کا حکم یہ سنایا تو دنیا کو خدا کے نام پر ترک کر دے اور سرتاپا خدا کی یاد میں محو ہو جا، اس ربانی قاصد نے تمام و کمال ذکر کے قواعد بھی بتائے اور جو کچھ اس پاکباز صوفی کے آئندہ طرق ذکر قرار پائے، سب کی ہدایت جبریل ہی نے کی۔ دوسرے دن سے اویس القرنی نے دنیا کو ترک کر دیا، اور اس کے سحر آمیز سامانوں پر لات ماری، دنیاوی راحتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور شب و روز ذکر اللہ میں زندگی بسر کرنے لگے۔ آخر کار ترک دنیا اور عبادت خدا ہائے اسلام کی محبت نے یہاں تک طول کھینچا اور اس قدر محبت نبی کا جوش ابلا کر اویس نے اپنے دانت اس لحاظ سے توڑ ڈالے کہ رسول خدا کے بھی دو دانت مشہور جنگ اُحد میں شہید ہوگئے تھے۔ آپ نے چاہا میرے مرید بھی ایسا ہی کریں، اور پھر آپ نے یہ ارشاد کیا کہ تمام وہ میرے مرید جو ربانی الطاف یا یاوری سے خصوصیت سے بہرہ ور ہوں گے اور جن کے دلوں پر میرے طرق کے نقش پورے منقش ہوں گے، ان کے دانت فوق الفطرۃ کرشمے سے خود بخود ٹوٹ جائیں گے، یعنے ایک فرشتہ جب وہ گہری نیند میں ہوں گے الگ سے ان کے دانت نکال لے گا اور جب وہ جاگیں گے تو سرہانے ان دانتوں کو رکھا ہوا پائیں گے۔

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اس قسم کی باتیں شروع ہوگئی تھیں لیکن ان کا اثر لوگوں کی طبائع پر بہت (بقیہ حاشیہ)

کا نقشہ کھینچتا ہے جو سکھوں کو سلمانوں سے تھی، پھر مولانا نے یہاں بہت سی مسجدیں غیر آباد اور ٹوٹی ہوئی ملاحظہ کیں، اور ان میں خوک اور کتوں کو بندھا ہوا دیکھا۔ یہ ہر سکھ کو مجاز تھا اگر اسے دوسری جگہ سونے کو نہ ملے وہ چاہے جس مسجد میں چلا آوے، ملا کا ہاتھ پکڑ کے نکال دے اور آپ وہاں شب باشی کرے، سور کا گوشت بآزادی کھا سکتا تھا، اور مسجد کو پاخانہ گاہ بنا سکتا تھا۔

(بقیہ ص۱۸۱) کم ہوتا تھا۔ ہمارے عارف باللہ اویس نے زیادہ مرید اپنی زندگی میں بہم نہ پہنچائے، اور آخر یمن ہی میں آپ کی وفات ہوگئی۔

۱۴۹ھ ہجری مطابق ۷۶۶ء میں شیخ الوان نے اول ہی اول فقیری کے مستقل قاعدے اور طرق کی بنیاد ڈالی، اب تک آپ کے پیرو موجود ہیں جو الوانیہ کہلاتے ہیں۔ گو اسلام نے نفس پر زیادہ تشدد کرنے صومعہ نشینی سے منع فرمایا ہے پھر بھی فقرا نے وہ وہ قواعد تشددِ نفس اور خوفناک ریاضتوں کے نکالے جن پر آج بڑے بڑے عالم اور مولوی چلتے ہیں۔

ایم ڈی اوسن نے اپنی مشہور کتاب عثمانی سلطنت میں لکھا ہے۔ مشکل سے کوئی مشہور و معروف مولوی یا فاضل اسلام کا ایسا ہوگا جو الوانیہ سوسائٹی کا ممبر نہ ہو۔

ہر صدی میں فقراء کے نئے پیشوا پیدا ہوئے اور پھر سب کے گروہ علیحدہ علیحدہ ہوگئے جو آج تک موجود ہیں۔ مذکورۂ بالا فاضل نے تینتیس ۳۲ پیشواؤں کے نام معہ ان کے وطن وغیرہ کے اپنی بیش بہا کتاب میں لکھے ہیں جو ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

سنہ ء	سنہ ھ	وطن بانی	بانی	طبقۂ فقراء	نمبر شمار
۷۶۶ء	۱۴۹ھ	جدہ	شیخ الوان	الوانیہ	۱
۷۷۷ء	۱۶۱ھ	دمشق	ابراہیم ابن ادہم	ادہمیہ	۲
۸۷۴ء	۲۶۱ھ	جبل بسطم	بایزید بسطامی	بسطامیہ	۳
۹۰۷ء	۲۹۵ھ	بغداد	سری سقطی	سقطیہ	۴
۱۱۶۵ء	۵۶۱ھ	بغداد	عبدالقادر جیلانی	قادریہ	۵

(باقی برص۱۸۳)

جب مولانا شہیدؒ علی الصبح کسی مسجد میں نماز پڑھنے جاتے تھے تو ایسا اتفاق بارہا ہوا کہ آپ نے سکھوں کو مسجد میں سوتا ہوا اور ناپاک کرتا ہوا ملاحظہ کیا، بعض خوب صورت مسجدیں ٹوٹ کر سکھوں کا گھر بن گئی تھیں اور اکثروں میں جیسا کہ اوپر لکھا گیا سُور، کتے، گھوڑے، بیل، وغیرہ باندھے جاتے تھے، علانیہ طور پر اجازت نہ تھی کہ کوئی فردِ بشر قرآن گلے میں لٹکا کے نکل سکے۔ اگر کسی ناواقف نے ایسا کیا۔ قید خانہ بھیج دیا گیا اور اس کا قرآن زبردستی آگ میں ڈال

نمبر شمار	طبقۂ فقراء	بانی	وطن بانی	سنہ ھ	سنہ ء
۶	رفیعیہ	سید احمد رفیع	بغداد	۵۶۲ھ	۱۱۸۲ء
۷	سہروردیہ	شہاب الدین	بغداد	۶۰۲ھ	۱۲۰۵ء
۸	کبرویہ	نجم الدین	خوارزم	۶۱۷ھ	۱۲۲۰ء
۹	شرنبلیہ	ابوالحسن	مکہ	۶۵۶ھ	۱۲۵۸ء
۱۰	مولویہ	جلال الدین رومی	کنواح	۶۷۲ھ	۱۲۷۳ء
۱۱	بداویہ	ابوالفطن احمد	تانتا (مصر میں)	۶۷۵ھ	۱۲۷۶ء
۱۲	نقشبندیہ	پیر محمد	قصر عریفا	۷۱۹ھ	۱۳۱۹ء
۱۳	سعدیہ	سعدالدین	دمشق	۷۳۶ھ	۱۳۳۵ء
۱۴	بختشیہ	حاجی بختش	کیر سہر	۷۳۶ھ	۱۳۳۵ء
۱۵	خلواتیہ	عمر خلواتی	قیصریہ	۸۰۰ھ	۱۳۹۷ء
۱۶	زنیبیہ	زین الدین	کوفہ	۸۳۸ھ	۱۴۳۸ء
۱۷	بابیہ	عبدالغنی	ایڈریانوپل	۸۴۰ھ	[illegible]
۱۸	بہرامیہ	حاجی بہرامی	انگورا	۸۶۲ھ	۱۴۶۱ء
۱۹	اشرفیہ	اشرف رومی	چین ازنگ	۸۹۹ھ	۱۴۹۳ء
۲۰	بکریہ	ابوبکر رافعی	الیپو	۹۰۲ھ	۱۴۹۶ء
۲۱	سنبلیہ	سنبل یوسف بلوی	قسطنطنیہ	۹۳۶ھ	۱۵۲۹ء
۲۲	گلشانیہ	ابراہیم گلشنی	قاہرہ	۹۴۰ھ	۱۵۳۳ء

(باقی برصفحہ ۱۸۴)

دیا گیا۔

مولانا نے اس کی بابت مختلف افواہیں گوش گزار کیں، مگر ذاتی تجربہ سے آپ کو بتایا گیا جب سے لاہور وغیرہ میں سکھوں کی عمل داری ہوئی ہے بیس لاکھ سے زیادہ قرآن مجید جل چکے ہیں اور اب کوئی دن ایسا نہیں جاتا جہاں ہر شہر میں آٹھ دس قرآن روزمرہ نہ جلائے جاتے ہوں، یہ مولانا شہید کو پتہ نہ تھا کیا رنجیت سنگھ کو بھی اس کی اطلاع کی جاتی ہے یا نہیں مگر وہ حکام جو اس کی طرف

نمبر شمار	طبقہ فقراء	بانی	وطن بانی	سنہ ھ	سنہ ء
۲۱	الہبت تشبیہ	شمس الدین	مگنیفیا	۹۵۱ھ	۱۵۴۴ء
۲۲	ام شنبہ	شیخ امام سنن	قسطنطنیہ	۹۵۹ھ	۱۵۵۲ء
۲۵	جلواتیہ	پیر اُفتدی	بروسا	۹۸۸ھ	۱۵۸۰ء
۲۶	عشاقیہ	حسن الدین	قسطنطنیہ	۱۰۱۰ھ	۱۵۹۲ء
۲۷	شمیہ	شمس الدین	مدینہ	۱۰۱۰ھ	۱۶۰۱ء
۲۸	سنن اُمیہ	علم سنن الٰہی	الوال	۱۰۷۹ھ	۱۶۶۸ء
۲۹	نیازیہ	محمد نیاز	ملنس	۱۱۰۰ھ	۱۶۹۳ء
۳۰	مرادیہ	مراد شامی	قسطنطنیہ	۱۱۳۲ھ	۱۶۱۹ء
۳۱	نورالدینیہ	نورالدین	قسطنطنیہ	۱۱۳۶ھ	۱۶۳۳ء
۳۲	جمالیہ	جمال الدین	قسطنطنیہ	۱۱۶۴ھ	۱۷۵۰ء

ان میں سے تین گروہ بسطامیہ، نقشبندیہ اور بکتاشیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سلسلہ سے اپنے کو کہتے ہیں اور باقیماندہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نکلے ہیں۔ ہر گروہ ان دو عظیم الشان بانیوں تک اپنا سلسلہ پہنچاتا ہے۔ نقشبندیہ جو خواجہ پیر محمد نقشبند کے پیرو ہیں مختلف طرق رکھتے ہیں یہ لوگ عموماً ذکر خفی کرتے ہیں اور بالکل یہی طریقہ ان کے ہاں رائج ہے۔ ان کی خاص عبادت کو ختم خواجگان کہتے ہیں۔ ایک بار استغفار کہتے ہیں۔ سات بار سلامات، سات بار فاتحہ، نو دفعہ سورہ الم نشرح پڑھتے ہیں اور اس کے بعد سورہ اخلاص پڑھتے ہیں۔ ان عبادتی تقریبات کا نام ذکر ہے۔ اس کے خاص فرق کرنے کے (باقی برصفحہ ۱۸۵)

سے ہر قریہ اور دیہہ میں مقرر تھے اپنے ہاتھوں سے علانیہ یہ ظلم کرتے تھے، عموماً جب اگھائی کا زمانہ آتا مسلمان زمینداروں کی جان پر بن جاتی، ان سے یہ کوئی سننے والا نہ ہوتا تھا کہ اب کے کال پڑا، اور اب کے فلاں سنگھ جی اپنے مویشیوں کو سال بھر فصل کے دنوں میں چرایا کئے، بلکہ ان پر کوڑے بازی ہوتی تھی اور مجبور کیا جاتا تھا کہ روپیہ لاؤ، اگر کسی نے روپیہ محصول کے دے دئے تو خیر ورنہ اُن کے بال بچے چھین لئے جاتے تھے، اور سر بازار نیلام کر

(بقیہ حاشیہ) ہفتہ میں ایک بار باہم ملتے ہیں، معمولی طور پر یہ دن جمعرات کا ہوتا ہے، عشاء کی نماز کے بعد سے یہ ذکر شروع ہوتا ہے، اور تمام شب رہتا ہے۔ ہر شہر اور شہر کے ہر ضلع میں اس کے ممبر مختلف سوسائٹیوں میں منقسم ہیں جہاں وہ سب مل کے اپنے مرشد کے مکان پر جمع ہوتے ہیں اور نہایت ہی توجہ سے ذکر کرتے ہیں پہلے پیر یا اور کوئی بھائی ایک لفظ زبان سے نکالتا ہے اور بعد ازاں سب مل کے کہتے ہیں ہو یا اللہ بعض شہروں میں نقشبندیہ کے خاص خاص وسیع مکان مقرر ہیں جو خاص ذکر ہی کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں۔ شیخ اپنی ممتاز عمامہ سے اپنے مریدوں میں پہچانا جاتا ہے۔ فرقہ بکتشیہ کا بانی بخارا کا رہنے والا تھا جس نے جان نثاریوں میں پر جوش روح پھونک کے بہت بڑی ناموری حاصل کی تھی اس گروہ کے فقیر کی نشانی ایک پٹکا ہے جسے مفصلہ ذیل فقرے کہہ کے اپنی کمر سے باندھ لیتے ہیں:-

(۱) میں نے حرص و تنگ چشمی کو کس لیا اور فراخ چشمی یا بے حرصی کو کھول دیا۔

(۲) میں نے غصہ کو باندھ لیا اور عاجزی کو کھول دیا۔

(۳) میں نے بخل کو گانٹھ دے لیا اور پارسائی کو کھول دیا۔

(۴) میں نے جہالت کو باندھ لیا اور خدا کی دہشت کو کھول دیا۔

(۵) میں نے حیوانیہ جوش کو باندھ لیا اور خدا کی محبت کو کھول دیا۔

(۶) میں نے بھوک کو کس لیا اور توکل کو کھول دیا۔

(۷) میں نے شیطنت کو باندھ لیا اور رحمانیت کو کھول دیا۔

سلطنت ترکی میں مولویہ فقیر بکثرت ہیں۔ اس گروہ فقراء کا بانی مولوی جلال الدین رومی ہے جو مشہور مصنف مثنوی کا ہے، یہ مثنوی ایران اور تقریباً کل اسلامی دنیا میں پڑھی جاتی ہے۔ ان فقراء کے تکیے بنے ہوتے ہیں جہاں بدھ اور اتوار کو ان کے جلسے ہوتے ہیں۔ یہ فقیر گول لمبی لمبی ٹوپیاں پہنتے ہیں (باقی بر صفحہ ۱۸۶)

دیے جاتے تھے۔

مولانا شہیدؒ نے یہ خونی نظارے اپنی پرنم آنکھوں سے دیکھے۔ آپ نے بعض دولت مند اور زمیندار مسلمانوں کو بھی دیکھا اور آپ کو تعجب ہوا کہ یہ اپنے غریب بھائیوں کی مدد نہیں کرتے مگر تحقیق کے بعد یہ سارا شبہ رفع ہو گیا، یعنے ان کی ثروت اس وجہ سے قائم تھی کہ وہ سکھوں کی مجلسوں میں برملا اسلام اور بانئے اسلام کی نسبت توہین آمیز الفاظ استعمال کرتے تھے اور بعض

(بقیہ ص ۱۸۵) کے طور پر لمبا لباس ہوتا ہے۔ جامہ کی صورت بالکل راجپوتانہ کے تلک کے ہم مشابہ ہے جو مسلمان عورتیں پہنتی ہیں، ذکر کرتے وہ اپنے جامے اُتار ڈالتے ہیں اور صرف جاکٹ اور نیچے پنچے کوٹ پہنے رہتے ہیں کبھی اچھلتے ہیں اور کبھی سر کو گردش دیتے ہیں، اور کبھی غیر معمولی جوش میں چکر کھانے لگتے ہیں۔ فقرائے قادریہ کا بانی سیّد عبدالقادر ہوا ہے جس کا لقب پیر دستگیر ہے، اور آپ بغداد میں مدفون ہیں۔ یہ لوگ ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں ہی کرتے ہیں۔ ہندوستان کی شمال مغربی حدود میں بہت سنی المذہب مولوی قادریہ ہیں، پچھلی والوں میں مذہب عام طور پر پھیلا ہوا ہے۔

چشتیہ معین الدین بندہ نواز کے پیرو ہیں جن کا لقب گیسو دراز ہے آپ کا مزار گلبرگہ میں ہے۔ عموماً شیعہ بھی اس مذہب یا طرق کے فقیر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ راگ راگنی سے شوق رکھتے ہیں کیونکہ اس گروہ کے بانی نے یہ کہا ہے کہ گانا روح کی خوراک ہے یہ لوگ ذکر جلی کرتے ہیں۔

گروہ جلالیہ کا بانی سید جلال الدین بخارا کا رہنے والا ہے یہ فقیر وسط ایشیا میں بہت پائے جاتے ہیں، اکثر مذہبی دریوزہ گر اسی پنتھ کے فقیر ہوتے ہیں۔

سہروردیہ افغانستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور ان میں فاضل اکثر دیکھے گئے ہیں۔ یہ شہاب الدین سہروردی کے رہنے والے کے پیرو ہیں (سہرورد عراق کا ایک شہر ہے) یہ بے شر فقیر کہلاتے ہیں یہ فقیر بھی بے شمار ہیں۔

ہندوستان میں قرداریہ پنتھی کے فقیر بکثرت آباد ہیں۔ اس گروہ فقراء کا بانی زندہ شاہ مدار شامی ہوا ہے جس کا مزار مکنپور (اودھ میں) ہے ملنگ فقیر اسی گروہ سے نکلے ہیں جو ہندوستان کے بازاروں میں دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ایک گرہ میں اپنے بالوں میں باندھ لیتے ہیں جو اکثر ناظرین نے ملاحظہ کیا ہوگا۔ رفیعیہ گروہ کے فقیر بھی ہندوستان میں بے شمار ہیں وہ اپنے نفس پر بہت سختی توڑتے ہیں ان کی عبادت یہ ہے کہ وہ اپنے جسم کی (باقی برصفحہ)

اوقات سلطنت کی آنکھ میں اپنا اعتبار بڑھانے کے لئے اپنے غریب مسلمانوں کو ناحق بیگناہ گرفتار کرادیتے تھے۔

وہ بظاہر مسلمان تھے مگر دراصل سکھ ہی تھے جو اپنی عارضی زندگی آرام سے گزارنے کے لئے یہ یہ نالائق باتیں کرتے تھے مگر سچ پوچھو تو ان کی بھی عزت نہ تھی۔ ہاں صرف اتنی بات تھی کہ سکھوں کے دست ظلم سے ان کا مال و متاع بچا ہوا تھا۔

(بقیہ صفحہ ۱۸۶) کلمات منہ اُدھیڑا کریں یہ درویش ترکی اور مصر میں بھی پائے پائے جاتے ہیں۔

دوسرا گروہ فقراء کا قلندریہ ہے جس کا بانی قلندر یوسف اندلسی ہوا ہے، جو اسپین کا رہنے والا تھا۔ کچھ زمانہ تک وہ بکتشیہ رہا لیکن جب اس پنتھ سے علیحدہ کردیا گیا تو اس نے بطور خود ایک مذہب کی بنیاد ڈالی۔

غرض تحقیق سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کل گروہ کے فقراء کے اصول ذکر مختلف ہیں ورنہ جب غور سے دیکھا گیا تو سب اکیلے خدا کی پرستش کرتے ہیں اور محمدؐ کو اپنا آخرالزمان نبی مانتے ہیں۔ یہی عین اسلام ہے، اور یہی دین خدا ہے، گو یہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ بعض گروہ افراط تفریط میں پڑکر شریعۃ کے اصول سے متجاوز ہو گئے ہیں، پھر بھی انہوں نے کبھی وہ باتیں نہیں کیں جو آج ان کے نام لیوا کر رہے ہیں۔ ان کا ایک بڑا اصول نفسانی خواہشات کو ترک کرنا ہے مگر آج ہمارے بھائی صوفی یا فقیر اس میں ڈوبے ہوئے ہیں، بلکہ اس کا میں نے تجربہ کرلیا ہے کہ کوئی صوفی یا فقیر جس گروہ میں اپنے کو بیان کرتا ہے نہ تو اس کے بانی کے سوانح عمری اسے یاد ہوتے ہیں، اور نہ وہ اس کے اصول جانتا ہے۔ نام کے قادریہ اور نقشبندیہ رہ گئے ہیں۔

اُن میں سے بعض قسم کے فقیر مولانا شہیدؒ کو پنجاب میں بہت سے ملے، مگر سوائے گور پرستی اور چڑھاوا لینے کے کسی مذہبی فرض کی انجام دہی میں انہیں سرگرم نہیں دیکھا۔ پیری مریدی کا بھی بہت زور دیکھا جو کم زیادہ اب تک موجود ہے مگر وہ بھی بے نتیجہ پایا نہ مرید یہ جانتا ہے کہ جب دست بیعت دیتے ہیں تو کیا کرتے ہیں نہ پیر کو یہ خبر ہے مرید سے کیا کہلانا چاہیئے۔

اس میں شک نہیں اگر مولانا شہید ان ظاہر دار صوفیوں اور فقیروں کی زبوں حالت کی اصلاح نہ کرتے تو خبر نہیں قوم اسلام کی کیا بُری گت بنتی، آج ہندوستان میں صرف مولانا شہید ہی کا طفیل ہے کہ ہماری آنکھوں میں جھوٹے سچے صوفی اور فقیر کی شناخت کی قوت آگئی ورنہ بڑے بڑے پڑھے لکھے اس میں ڈوبے ہوئے تھے (باقی پیشتر)

غرض امرت سر کی مولانا شہیدؒ نے خوب خوب سیر کی اور مسلمانوں کی ناگفتہ بہ خستہ حالت کو بغور ملاحظہ فرمایا، پھر آپ نے جیسا کہ تواریخ علمائے دہلی والا نے لکھا ہے، اس سفر سے امرت سر میں کچھ نہ کچھ پولٹیکل فائدہ بھی اُٹھانا چاہا۔ گو یہاں سکھوں کے ظلم وستم کی یوں آگ مشتعل ہو رہی تھی، پھر بھی آپ کی دلیر مگر دور اندیش طبیعت نے پولٹیکل فائدہ اٹھانے میں پس وپیش نہ کیا، آپ نے پوشیدہ پوشیدہ لوگوں سے ملاقات کا سلسلہ نکالا، اور ان کے خیالات سکھوں کی

(بقیہ حاشیہ) ہر فقیر ہیں چاہے وہ قزاق ہو یا دراصل رہزن ہو خدا ہو تا ہے۔

ہم نہایت ہی وقعت کی نگاہ سے ہر پنتھ کو دیکھتے ہیں اور اس کے اصول کی تعریف کرتے ہیں اس میں شک نہیں جتنے مت نکلے ہیں سب خدا پرستی کے طریقے کو آسان کرنے کے لئے نکلے ہیں، ان کا پہلا اصول حرص و ہوا کو چھوڑنا اپنے نفس کو اپنے تابع کرنا اور خدائے واحد کی سچے دل سے پرستش کرنا۔ چنانچہ جب سہروردیہ میں کسی کو مرید کرتے ہیں تو مرید سے یہ کہلواتے ہیں میں اس خدا کے آگے کوئی دوسرا معبود نہیں جو زندہ ہے، توانا ہے۔ ہمیشہ رہنے والا ہے میں اس سے توبہ کرتا ہوں اور اس کی مہربانی اور نگاہِ مکرمت کا امیدوار ہوں یہی استغفاری جملہ کئی بار مرید اپنی زبان سے دہراتا ہے اور پھر یہ کہتا ہے "میں خدا اور اُس کے پیارے نبی کی تائید سے اُسے اپنا مرشد یا ہادی بناتا ہوں اور خدا کی درگاہ میں عہد کرتا ہوں کہ کبھی اس سے جدا نہیں ہونے کا۔ خدا ہمارا شاہد ہے۔ خدا کی قسم سوائے خدا کے اور کوئی خدا نہیں ہے۔ آمین"

اس کے بعد مرشد اور مرید دونوں کلام مجید کی پہلی سورۃ پڑھتے ہیں، پھر مرید مرشد کے ہاتھوں پر بوسہ دیتا ہے، اور اس طرح تقریبات مریدی ادا ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد مرید اکثر اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا ہے اور کبھی کبھی مرشد بھی اپنے مریدوں کے مکان پر قدم رنجہ فرماتے ہیں۔ یہ مکان جہاں یہ مقدس نفس خدائے برحق کی پرستش کی اپنے مریدوں کو تعلیم دیتے ہیں، عموماً باغوں میں بنے رہتے، اور جنہیں ترکی اور مصر میں تکیہ کہتے ہیں۔ وہاں دوسرے شخص کا گزر نہیں، قادریہ میں مرید ہونے کا دوسرا دستور جو توکل بیگ نے جرنل ایشیاٹک میں بیان کیا ہے، وہ مفصلہ ذیل ہے۔

جب میں نے آخوند ملا محمد کے ذریعہ سے شیخ ملا شاہ سے شرف مریدی حاصل کیا میں نہیں بیان کر سکتا، میرے دل کی کیا حالت ہو گئی، نئی نئی امنگیں وحدت پرستی کی دل سے خود بخود اُبلنے لگیں، اور غیر معمولی جوشوں نے میرے قلب کو گھیر لیا۔ (باقی بر صفحہ ۱۸۹)

بابت دریافت کئے وہ بیچارے روزمرہ پُرامن انگریزی عملداری میں بھاگے جاتے تھے۔ خدا سے چاہتے تھے کوئی تادیب دہندہ کھڑا ہو۔ اور ان ناواجب باتوں کا سکھوں سے عوض لے۔ مسلمانوں کو خوف اس قدر تھا کہ وہ سکھوں کے خلاف مشورہ کرنے میں اپنی جان کی ہلاکت سمجھتے تھے، اور یہ جانتے تھے اگر کچھ سُن گن سکھوں نے اس کی پالی تو گھر بار اکھیڑ کر پھینک دیا جائے گا اور بال بچے کولہو میں پلوا دیئے جائیں گے۔ مولانا شہیدؒ کو پنجابیوں سے تو کچھ

(بقیہ حاشیہ) آپ سے میری طبیعت میں خدا کے پیچھے علم سیکھنے کی بھڑکتی ہوئی آگ لگ گئی، اس کی تلاش اور تحصیل میں نہ رات کی نیند تھی نہ دن کا آرام رہا تھا۔ ابتدائے تعلیم میں شب و روز مجھے سورۃ اخلاص کا ورد رہتا تھا میں نہیں کہہ سکتا کہ جوش میں کے بار پڑھ جاتا، میرا خیال یہ ہے جو شخص اس سورت کو سو بار پڑھے گا وہ گویا اپنی دینی منت پوری کرے گا۔

میں نے چاہا کہ شیخ مجھے توجہ دے اور اپنی محبت مجھے بخشے، میں نے سورۃ اخلاص کا وظیفہ ابھی ختم ہی کیا تھا کہ خود بخود مرشد کے دل میں میری طرف سے ہمدردی پیدا ہوگئی، گزشتہ شب میں اس کی خدمت میں حاضر ہوا، تمام شب وہ مجھے توجہ دیتا رہا، جب کہ میں نے اپنے کو بالکل باطنی استغراق میں محو کر دیا۔ تین شب یوں ہی توجہ لیتے گزر گئیں، چوتھی شب شیخ نے کہا۔ اب مُلا سنگھم بیگ اور صالح بیگ تم اپنی روحانی تاثیرات توکل بیگ میں بخش دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا جب کہ میں نے تمام شب استغراق میں کسی کی طرف منہ کیے ہوئے گزاری۔ جوں ہی صبح صادق کی پو پھٹنی شروع ہوئی، کچھ کچھ روشنی میرے ضمیر میں پیدا ہونے لگی لیکن میں شکل اور رنگ میں امتیاز نہ کر سکتا تھا۔

صبح کی نماز کے بعد میں شیخ کی خدمت میں حاضر کیا گیا، اس نے میری دماغی حالت کی کیفیت دریافت کی، میں نے عرض کیا میں نے اپنی چشم باطن سے ایک روشنی دیکھی۔ یہ سُن کر شیخ کی کسی قدر دلجمعی ہوئی اور وہ بولا۔ تیرا قلب تاریک ہے مگر وہ گھڑی آگئی ہے جب میں صفائی سے اپنے کو تجھے دکھاؤں گا۔ پھر اس نے اپنے سامنے بیٹھنے کا مجھے حکم دیا اور ارشاد کیا ہمارے خال و خط یا چہرو مہرہ اپنی ضمیر میں جما لے پھر اس نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی، اور ارشاد کیا ہم پر تو اپنے کل خیالات کا اجتماع کرے۔ میں نے ایسا ہی کیا پھر ایک دم میں شیخ کی روحانی مدد سے میرے دل کا قفل کھُل گیا، اس نے دریافت کیا تو نے کیا دیکھا۔ میں نے عرض کیا میں نے دوسرا توکل بیگ اور دوسرا ملا شاہ دیکھا۔ پھر میری آنکھوں کی پٹی کھول دی گئی میں نے آنکھیں (باقی برصفحہ)

مدد نہ ملی، ہاں افغانوں سے اپنے ارادہ میں جان پڑتی ہوئی دیکھی - ایک دن مولانا شہید رح کی ایک بوڑھے افغان سے ملاقات ہوئی، عندالتقریر اس نے بیان کیا ہماری ناچاقی نے سکھوں کو ہم پر چیرہ دست بنا دیا ہے - جب سکھوں نے ہم پر حملہ کیا ہے ہم یوسف زئی فرقہ سے کشت و خون کر رہے تھے - ہمیں خود اپنی جانوں کا ہوش نہ تھا کہ سکھوں نے ہم پر دھاوا کیا، اس شکستہ حالت میں بھی اگر اتفاق کر کے سکھوں کا مقابلہ کرتے تو ایک بچہ بھی نچ

(بقیہ صفحہ ۱۸۹) کھولیے اپنے شیخ کو اپنے سامنے بیٹھا ہوا دیکھا، پھر دوبارہ انہوں نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی - پھر میں نے اپنی باطنی آنکھوں سے شیخ کو دیکھ لیا - میں نے استعجاب میں یہ کہا اے مرشد آیا میں تجھے اپنی باطنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں یا جسمانی آنکھوں سے تجھے میں اس وقت ایسا ہی دیکھ رہا ہوں جیسا ہمیشہ دیکھا کرتا ہوں -

اسی اثنا میں میں نے ایک چمکتا چوندی مارتی ہوئی شکل اپنے پاس آتی ہوئی دیکھی - شیخ نے مجھ سے ارشاد کیا جو شکل تیرے قریب آرہی ہے اس سے نام دریافت کر، میں نے اپنی روحانی زبان سے یہ سوال کیا یا دوسرے الفاظ میں میرے ضمیر میں اس سوال دریافت کرنے کی کیفیت پیدا ہوئی، معاً اس نورانی شکل نے یہ جواب دیا، میں عبدالقادر جیلانی ہوں ابھی میں تیرے ساتھ آگے ملا ہوں جاتیرا دل روشن ہوگیا، میں نہیں کہہ سکتا کہ اس ولی اللہ کا احترام میرے ضمیر میں کس درجہ پیدا ہوا - میں ہر جمعہ کی شب کو سارا قرآن شریف پڑھ لیا کرتا تھا، ملا شاہ نے پھر کہا روحانی دنیا اپنے تمام و کمال حسن کے ساتھ مجھے نظر آگئی میں نے کامل اطاعت اور فرمانبرداری سے باطنی الفاظ سے اپنے پیر کا شکریہ ادا کیا اور اس کا سچا خادم بنا، دوسری شب میں نے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چار صحابہ کی زیارت کی جو اپنے نبی کے ساتھ فرحان و شادان تھے، اور پھر تمام اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی زیارت سے فیضیاب ہوا، تین مہینے کے بعد میں ایک ایسی سرزمین میں پہنچا جہاں ان صورتوں میں ایک صورت بھی نظر نہ آئی، اس عرصہ تک شیخ مجھے توحید اور علم خدا کے اسرار بیان کرتا رہا - تاہم ابھی تک درجہ تکمیل کو میں نہیں پہنچا تھا، نہ اس نے اس کی کامل حقیقت مجھے بتلائی تھی - ایک برس گزرنے کے بعد مجھے توحید کا علم ہوگیا، اور اب میں شیخ سے ان الفاظ میں اپنے الہام اور القائے ربانی کروں بیان کرنے لگا، میں اپنے جسم پر پانی اور خاک دیکھتا ہوں، اب مجھے نہ اپنے دل کا پاس ہے - نہ اپنے روح کا، ہائے افسوس کس غفلت میں میری اتنی زندگی گزر گئی، اس کے بعد دل نہایت پر جوش ہوگیا (باقی برصفحہ ۱۹۱)

کرنہ آتا مگر افسوس کہ ہم میں معاندانہ جنگ وجدل برقرار رہی، اس وجہ سے سکھوں کو فتح حاصل ہوئی۔ ہمیں اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے کہ ہمارے نابالغ بچوں اور بیمار مردوں، عورتوں کو سکھوں نے کس بے رحمی سے قتل کیا، اور زندہ آگ میں جلا دیا بلکہ اگر خیال ہے تو یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے پاک مقابر کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور ہماری مسجدوں میں سور ذبح کئے اور جو کچھ ان سے ہوسکا دین اسلام کی توہین کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ اور اب

(بقیہ صفحہ ۱۹۰ حاشیہ نمبر ۱) تو اور میں تجھ میں یہ جملہ روحانی قوت سے میری زبان دل سے نکلا، شیخ سنتے ہی خوش ہو گیا اور یہ کہنے لگا توحید کی اصلی سچائی اب تجھ پر کھل ہے۔ توکل بیگ نے مجھ سے اصول توحید کی پورے طور پر تعلیم پائی، اس کی باطنی آنکھیں روشن ہوگئی ہیں، گوناگوں رنگوں اور صوتوں کے کمرے اس نے بخوبی دیکھ لئے ہیں، یہاں تک کہ وہ بیرنگ کمرہ میں داخل ہوا، اور اب اُس کا رونگٹا رونگٹا یہ گویا ہے ؎

شکر اللہ کہ در ساغر من ریختہ اند ‏ ‏ ‏ مے بے رنگ زمیخانہ بے نام ونشان

اب وہ توحید کے قریب پہنچ گیا۔ جہاں سے اسے وصل ہوسکتا ہے، شبہ اور تذبذب کی پھیری اب کبھی اس پر نہ چل سکے گی۔

کوئی متنفس توحید کو ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا جب تک اپنی باطنی آنکھیں نہ کھولے اور اُن سے نہ دیکھے۔

میری اس تحریر سے ناظر سوانح کو اس قدر اندازہ کرنے کی سمجھ آجائے گی کہ وہ اصل تصوف اور جھوٹی فیلسوفی کو علیحدہ علیحدہ کرلے گا، اور اسے صاف طور پر یہ بھی اظہار ہوجائے گا کہ مولانا شہیدؒ نے جس تصوف کی مخالفت کی تھی وہ جھوٹا تصوف تھا جس سے لوگوں کو ٹھگا جاتا ہے۔ اور خدا کی مخلوق کو فریب میں پھنسا کے دین و دنیا کا نہیں رکھا جاتا۔ موجودہ زمانہ میں چند شریر النفوس نے اپنے ناقابل پیروں کی تعریف میں وہ وہ کتابیں طبع کی ہیں جن میں سراسر کفر و الحاد بھرا ہوا ہے مثلاً نور الابصار میں ایک پیر کی کرامتوں کا ذکر ہے، میرے خیال میں جتنی کرامتیں یا معجزے اس میں بیان ہوتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں سے ان کا وزن بھاری ہے، اس کتاب میں پیر جی کو عالم غیب بنایا گیا ہے اور یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ دین محمدی تیرہ سو برس سے تاریک تر تھا یہ پیر جی کا دم تھا کہ انہوں نے اسے روشن کردیا۔ نبی اکرم غیب دان نہ تھے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگایا گیا اس کا صدق و کذب جب تک وحی نہ اُتری آپ کو معلوم نہ (باقی بر صفحہ ۱۹۲)

تک وہ اسی سرگرمی سے توہین اسلام کئے جاتے ہیں۔ بے محابا سکھ ہر مسلمان کے مکان میں چلے آتے ہیں۔ اُنہیں اختیار ہے چاہے جو کچھ چیز اٹھا لیں اگر کھانا پکتا ہوا ہو تو اُس پر شور کی ہڈی ڈال کے پاک کر لیتے ہیں، اور خود وہیں بیٹھ کے نیبڑ جاتے ہیں۔ ہر طرح سے ناک میں دم کر رکھا ہے، کوئی دریافت کرنے والا نہیں ہے اگر آپ میرے ساتھ پشاور چلیں تو میں آپ کو یہ ساری کیفیت دکھاؤں۔ مولانا شہیدؒ کو اس بوڑھے ولایتی کی معیت اچھی معلوم ہوئی اور آپ امرت سر سے پوشیدہ اس کے ساتھ لاہور پہنچے، کیونکہ امرت سر میں سکھوں کے مختلف حلقوں میں مولانا کے خلاف سرگوشیاں ہونے لگیں تھیں، جن کی آواز ہنوز حکام کے کان تک نہ پہنچی تھی۔ مولانا شہید کا ظاہری لباس ایسا تھا کہ ان پر کسی قسم کا جرم بھی عاید نہ ہو سکتا تھا مگر یہ باتیں وہاں ہوتی ہیں جہاں قانون کی حکمرانی ہو۔ سکھوں کی عملداری میں بڑا جرم مسلمان ہونا تھا مجسٹریٹ کے سامنے جب کوئی جرم کسی مسلمان پر ثابت نہ ہوتا تھا تو اس سے سکھ ہو جانے کی درخواست کی جاتی تھی اور جب وہ انکار کرتا تھا تو اس پر یہ عظیم الشان جرم قائم کر کے سزائے موت دی جاتی تھی۔ چند کوتاہ قلموں نے سکھوں کے ان قابل رحم مظالم کو لوگوں کے دلوں سے نسیاً منسیاً کرنے کے لئے مسلمان شہنشاہوں کے سر پر جابرانہ ظلم چپکے ہیں، اور اپنی بے معنی تواریخ میں من گھڑت قصے گھڑ گھڑ کے انہیں بدنام کرنا چاہا ہے مگر وہ نہیں جانتے کہ خاک ڈالے سے نہ مہتاب چھپ سکتا ہے۔ نہ روشن آفتاب کی کرنیں ہاتھ لگانے سے میلی ہو سکتی ہیں۔ ایسی تاریخوں سے ہندوؤں کے بچے ضرور فائدہ اٹھاتے ہیں، اور چسکے نے لیکے ایسی کتابوں کو پڑھتے ہیں مگر بصیرت کی نگاہوں میں وہ ساری باتیں بیہودہ اور لغو ہیں، غرض

بقیہ ص۱۹۱ ہوا گرو گوبند جی کئی کئی سال پہلے کی خبریں اس طرح بیان کر دیتے ہیں گویا اُن کی آنکھوں کے آگے ہو رہی ہیں۔ دراصل وہ بے چارے سادے سیدھے بے لکھے پڑھے سمجھ کے بلے تھے۔ اُن کے جانشین نے مرنے کے بعد انہیں خدا بنا دیا (معاذاللہ) اسی قسم کے اشد کفریات بکنے والے کی مولانا شہیدؒ مخالفت کرتے تھے اور اصل تصوف کے آپ بڑے حامی تھے، اور خود بھی بہت بڑے صوفی تھے، میری اس توضیح سے ان بدگمانیوں کو کامل شکست ملے گی جو مولانا شہیدؒ کی مقدس ذات پر لاعلمی یا تعصب سے قائم کی جاتی ہیں، اور آپ کی والا شان اصلاح کا سچا مرتبہ معلوم ہوگا ۱۲

مولانا شہیدؒ امرتسر سے لاہور پہنچے، اور ایک سرائے میں جا کے قیام کیا، آپ نے ریاست کا رنگ دیکھ کے ولایتی کو علیحدہ کر دیا اور تاکید کر دی دن کو مجھ سے نہ ملے نہ کبھی بات کرے۔ کیونکہ رنجیت سنگھ کا یہ حکم تھا اگر پشاور یا قندھار کا باشندہ کسی پردیسی سے بات چیت کرتا ہوا دیکھا جاتے تو اسے اسی جگہ پر فوراً بغیر پوچھے گچھے سزائے موت دی جانے۔ صدہا بے گناہوں کی جانیں اسی طرح ضائع ہو چکی تھیں مگر ان کا انتقام لینے والا کوئی نہ تھا۔

سکھوں کا دستور ہے کہ وہ ہولے کر کے کھاتے ہیں۔ دہلی میں موسے سوکھے ڈنٹوں کو گھاس پھوس کی آگ میں معہ شاخوں کے خستہ کرنے کو کہتے ہیں۔ مگر سکھوں میں انہیں ہولے نہیں کہتے، وہ ایک بڑے فولادی پنجرہ میں چیل۔ کوّے، کبوتر، تیتر، مینائیں طوطے غرض مختلف قسم کے جانور بند کر کے پنجرہ کو کسی درخت سے لٹکا دیتے ہیں، اور پھر نیچے سے آگ دے دیتے ہیں، وہ زندہ پرند پھڑپھڑا کے بھن کے کوئلہ ہو جاتے ہیں۔ پھر انہیں صاف کر کے یہ نا خدا ترس کھاتے ہیں۔ اسی طرح بے گناہ مسلمانوں کے بھی ہولے کئے جاتے تھے اور یوں تڑپا کے انہیں مارا جاتا تھا۔ ہم ان شرمناک کارروائیوں کا ذکر نہیں کرنا چاہتے جو سر بازار سکھ کرتے تھے۔ ہماری محمدی تہذیب اور قانون انگلشیہ ہمیں اجازت نہیں دیتا کہ ہم ان میں سے ایک بات کا بھی تذکرہ کریں، صرف اسی قدر لکھنا کافی ہوگا کہ سکھوں کی قدرت میں جو کچھ تھا اور ان کی بودی عقل جتنے مظالم ایجاد کر سکتی تھی وہ انہوں نے بے گناہ مسلمانوں پر توڑے جنہوں نے اُف تک نہیں کی۔ ہم اپنے قول کی سند کے لئے ایک معتبر کتاب میں سے جو ایک ہندو صاحب ایکسٹرا اسینٹ کی تصنیف سے ہے، چند جملے سکھوں کے مظالم کی بابت نقل کرتے ہیں، جو انہوں نے غالباً کیا، قطعی اسی زمانہ کا ذکر کیا ہے، جب مولانا شہیدؒ دورہ پنجاب میں تھے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

ابتدار میں سکھوں کا حُرفہ غارت گری اور لٹیرے بننے کا تھا جو ہاتھ آتا تھا لوٹ کر اپنی جماعت سے تقسیم کر لیا کرتے تھے، اور بسبب ان کے لوٹ کے اور علاقے داروں و دیہات والوں نے ان کو نذرانہ دینا منظور کیا کہ وہ راکھی کہلاتے تھے۔

مسلمانوں سے سکھوں کو بڑی دشمنی تھی، اذان یعنے بانگ بآواز بلند نہیں ہونے دیتے تھے، مسجدوں کو اپنے تحت میں لے کے گرنتھ پڑھنا اس میں شروع کرتے، اور اس کا نام مت گڑھ رکھتے تھے اور سچ کریا مانند اور ہندوؤں کے ان کو مطلق نہیں۔ شکاری اور شراب خوار ہوتے ہیں، اور گھوڑے پر چڑھے ہوئے روٹی کھاتے چلے جاتے ہیں، اور دیکھنے والے کہتے ہیں جہاں وہ پہنچتے تھے جو برتن مٹی استعمال کسی مذہب والے کا (خصوصاً مسلمان کا) پڑا ہوا ان کو ہاتھ آجاتا تھا پانچ چھتر اس پر مار کر اس میں کھانا پکا لیتے تھے یعنی پانچ جوتے اُس پر مارنا اس کو پاک ہو جانا سمجھتے تھے۔

ناظر سوانح اندازہ کر سکتا ہے کہ ہندو مصنف نے جب یہ واقعہ بیان کیا ہے اور مجبوراً اُس کے قلم سے بھی سرزد ہو گیا، پھر کون شبہ کر سکتا ہے کہ ہمارا محمدی رپورٹر غلط بیان کرے اوپر والے جملوں کے ہر ہر لفظ سے ٹپکتا ہے کہ ہندو مصنف سکھوں کے مظالم کا حال لکھنا نہیں چاہتا۔ مگر واقعات کا اظہار اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ دبی زبان ہی سے سہی ضرور قلمبند کرے، ہر ہر لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مصنف قلم سے نکالنا نہیں چاہتا۔ اور وہ نکلے جاتے ہیں جیسے ایک شخص ایک قدم اٹھانا نہیں چاہتا، اور زبردستی اسے دھکیل کر کوئی شخص کہیں لے جانا چاہے۔

مولانا شہیدؒ نے القصہ لاہور میں پہنچ کر امرت سر سے بھی زیادہ سکھوں کے جابرانہ مظالم کا اور ہی چڑھا ہوا رنگ دیکھا، جہانگیر کے مقبرہ میں سے قیمتی پتھر اکھیڑ لئے گئے تھے اور گرنتھ پڑھنے کا مقام اسے بنا لیا گیا تھا، جس کا نام ست گڑھ رکھا تھا، سینکڑوں نام اور مسلمانوں کی قبریں اکھڑوا کے پھینکوا دی تھیں، فیصدی دس مسجدیں بمشکل مسلمانوں کے قبضہ میں تھیں اور نہیں سب پر سکھ ہی اپنا تسلط رکھتے تھے۔ کہیں گھوڑے بندھے ہوئے ہیں تو کہیں خود رہتے ہیں۔ کہیں گرنتھ پڑھنے کی جگہ ہے، تو کہیں بداعمالی کرنے کا مقام ہے۔

یہاں کے مسلمانوں کی حالت دو صورتوں سے قابل رحم تھی۔ پہلی صورت تو یہ تھی کہ انہوں نے قرآن وحدیث کے روشن احکام کو بھلا دیا تھا۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے ایمان کے

ذکر اذکار میں قرآن وحدیث کو تو بالکل ہی اڑا دیا تھا۔ صرف کسی فرضی پیر شہید کے اقوال یاد رہ گئے تھے، جنہیں وہ کلام ربانی سے بہتر اور مستند گردانتے تھے یہ پہلا خونی نظارہ تھا جس سے پیارے شہیدؒ کے آنسو ٹپک پڑے اور وہ بے اختیار ہو گیا، نمازوں میں بجائے اللہ اکبر کے یا غوث اغثنی لوگوں نے کہنا فرض سمجھ لیا تھا، اس سے زیادہ قہر خدا مسلمانوں پر اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ بداعمالی سے بالکل گمراہ کر دئے گئے خدا کی گوناگوں رحمتوں کا پرتو ان پر سے بالکلیہ اٹھ گیا تھا بعینہ یہ کیفیت تھی اگر کسی کے آگے قرآن کی آیتیں پڑھو وہ منہ پھاڑے ہوئے دیکھتا تھا کہ کیا پڑھا جا رہا ہے اور کس ملک کی بولی ہے ہاں پیروں، شہیدوں، ولیوں کی جھوٹی کرامتوں کی قلمی کتابیں اکثر ان کے ہاتھوں میں دکھائی دیتی تھیں، جو حد سے زیادہ کفر والحاد کی طرف ان کو لے جانے میں کوتاہی نہ کرتی تھیں ہر شخص کا یہ خیال تھا کہ کسی نہ کسی کا مرید ہو جانا جنت کو خرید لینا ہے، پھر گویا جنت ان کے باپ دادا کی ہو گئی۔ یہی کیفیت پیروں کی تھی، اور یہی حالت مریدوں کی تھی دونوں ایک ہی تھیلی کے بٹے تھے، یہ پہلا خونی اور فنا کر دینے والا نظارہ تھا جس نے مولانا شہیدؒ کو خون کے آنسو رلوایا، اور بعد ازاں اس سے دوسرے درجہ کا سکھوں کی دین اسلام کے ساتھ بے ادبی اور مسلمانوں پر ناقابل بیان مظالم تھے، جو ہر عدالت ہر شاہراہ ہر محل اور سکھوں کے ہر مکان میں ہوا کرتے تھے یہ لکھنا فضول ہے کہ سکھوں نے کون کون سے ظلم مسلمانوں پر کئے بلکہ یہ لکھنا چاہیئے کہ کونسا ظلم دنیا میں ایسا باقی رہ گیا جو انہوں نے نہ کیا ہو۔ پنجاب میں ہمیشہ سے مسلمانوں کی آبادی تگنی ہے مگر یہ افسوس سے دیکھا جائیگا کہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں فیصدی ۳۵ مسلمان جلاوطن ہو کے انگریزی عمل داری میں چلے آئے تھے، اب سمجھ لیا جائے کہ سکھ مسلمانوں سے کیسا وحشیانہ برتاؤ کرتے تھے جس کی نظیر سوائے اندلس اور بیت المقدس کے تیسری جگہ نہ ملے گی، یہ مظالم نظر غور سے مولانا شہیدؒ نے دیکھے، اور آپ کی طبیعت پر ان افسوس ناک منظروں نے عجیب اثر کیا، آپ کا قطعی ارادہ ہو گیا کہ ان سکھوں سے حتی الوسع انتقام لینے کی کوشش کرنی چاہیئے، اور جس تدبیر سے ممکن ہو مسلمانوں کو ان کے پنجۂ ظلم سے نجات دلوانی ضرور ہے کئی موقعوں پر آپ نے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں پر ظلم ہوتے ہوئے دیکھے، اپنی نڈر طبیعت اور خطرناک بہادری سے کئی بار سکھوں کے مقابلہ میں

دست بشمشیر ہونا پڑا، مگر آپ کی دور اندیش اور محتاط عقل سمجھتی تھی کہ یہ شجاعت نہیں ہے بلکہ جلادت ہے جس سے سوائے جان ضائع ہونے کے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔

ایک ملکی یا قومی ہمدرد کبھی گوارا نہ کرے گا، اس کے سامنے قوم کے بچے یوں بے بسی کی حالت میں ذبح کئے جائیں مگر مقتضاء وقت سے بشرطیکہ اس کے دماغ میں عقل ہے وہ کسی خوش آئندہ موقع کا منتظر رہے گا اور اسی کو یہی شجاعت اور قوم پر جان نثاری کہتے ہیں۔ نفس جان دے دینے کا نام بہادری نہیں ہے بلکہ ایسے موقع پر جان دینے کا نام شجاعت ہے کہ جس سے قوم کا بیڑا پار ہو جاوے، اور تمام آفتیں قوم پر سے ٹل جائیں۔

مولانا شہیدؒ نے گاؤں در گاؤں اور قصبہ در قصبہ چکر لگایا، سکھوں کے مظالم کی خوب خوب بانگی دیکھی، ان کے پولیٹیکل معاملات اور بندوبست سلطنت کو بھی ملاحظہ کیا، اور بعض بعض قلعوں کا نقشہ بھی اُتارا۔ غرض ہر قسم کا جزوی اور کلّی اُتار چڑھاؤ سکھ سلطنت کا ملاحظہ کیا، راہ میں بہت سے مسلمان سرداروں سے افغانستان کی سرحدات پر ملاقات ہوئی، اُن سے بھی جو کچھ حاصل کرنا تھا حاصل کیا۔

تمام سفر میں دو تین جگہ مولانا شہیدؒ پر سکھوں کی طرف سے زیادتی بھی ہوئی اور کوئی تعجب نہ تھا اگر پیارا شہیدؒ ان کی تیغ براں کا شکار ہو جاتا مگر فطرت کو ہمت سے کام لینے تھے اور انہیں نازک کلائیوں پر سکھوں کے بہت سے شہروں کی فتح لکھی ہوئی تھی پھر کیونکر ممکن تھا کہ ذرا بھی بال بیکا ہوتا۔ اور کسی قسم کا بھی آسیب آپ کی مبارک ذات پر حادث ہوتا، دو برس تک مولانا شہیدؒ نے پنجاب کی سیر بالکلیہ کر لی، اس کثیر عرصہ میں آپ کو سکھوں کی گربہیہ بولی سے بھی مہارت تامّہ حاصل ہوگئی، ڈوگری، پنجابی بخوبی بولنے اور سمجھنے لگے، اور خاموشی ہی سے صدہا مسلمانوں کو گور پرستی کی تاریکی سے نکالا، آپ کی خاموشانہ تلقین کا اہل پنجاب پر یہاں تک اثر ہوا کہ عورتیں بھی عربوں کی سی تہ بند باندھنے لگیں، اور عرصہ تک پنجابیوں کی یہ کیفیت رہی کہ برہنہ پا شاہراہوں میں پھر رہے ہیں۔ کہیں ان کے کان میں یہ پڑ گیا تھا نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی بارہا برہنہ پا پھرے ہیں، کیا تو یوں گور پرست تھے، اور کیا اپنے ہادی کی محبت میں

صرف پیارے شہیدؒ کے ذریعے ایسے محو ہوئے کہ دنیاوی معاشرت میں بھی رسول اللہؐ ہی کی اتباع افضل جانی، مولانا شہیدؒ کے وعظ میں قدرتی تاثیر تھی، کلکتہ کے اضلاع میں اکثر بنگالی مسلمان ایسے دکھائی دیئے ہیں جو جوتیاں بہت کم پہنتے ہیں، اور کرتے کے گریبان میں گھنڈی یا بوتام بہت ہی کم لگاتے ہیں۔

مولانا شہیدؒ نے اس سفر پنجاب میں جو جو کچھ سختیاں اٹھائیں اور مصیبتیں جھیلیں انہیں مفصل بیان کرکے ہم ناظر کا وقت نہ لیں گے، صرف ان کے ایمان کے لئے اسی قدر کہہ دینا کافی ہے، کہ آپ نے یہ سفر پاپیادہ کیا تھا، اس سفر میں کبھی آپ برہنہ پا ہوتے تھے اور کبھی پاؤں میں جوتی ہوتی تھی، چونکہ چلنے پھرنے پانی میں تیرنے کی مشق بڑھی ہوئی تھی، اس لئے آپ نے اس عظیم الشان سفر کو جتنا خیال میں آسکتا ہے گردانا نہیں، اور خوش قسمتی سے کبھی آپ سفر میں مریض بھی نہیں ہوئے۔

اگر ہمارے دماغ میں ذرا بھی عقل ہے، اور ہمیں فطرت سے فہم سلیم کا حصّہ ملا ہے تو آسانی سے ہماری سمجھ میں آجائے گا کہ مولانا شہیدؒ میں فاروق اعظمؓ جیسی روح اور حضرت خالدؓ جیسے بیدھڑک شیر کی سی اسپرٹ اور سچے مسلمانوں کا سا نبض اور اس کے دین پر فدائیانہ عشق تھا، جس نے ہوش سنبھالتے ہی مسلمانوں کی خستہ حالی پر خون کے آنسو بہائے اور ان کی ترقی میں بڑھتا ہوا بوڑھا ہوا، اور آخر ان ہی کے لئے جان دے دی، اس تواریخی اُتار چڑھاؤ کے دیکھنے کے بعد اور اس عظیم الشان اور محنت اور جان نثاری کے علم حاصل ہونے کے بعد اگر اب بھی ہم اپنی ناتراشیدہ عقول کے صدقہ میں نئی نئی گھڑی ہوئی باتیں آپ پر عاید کریں، اور اپنی ناپاک دو ورقی تصنیف میں آنکھیں بند کرکے ناملائم جملوں سے یاد کریں تو ہماری حالت پر افسوس ہے۔ یہ کتنے ماتم کرنے کا مقام ہے کیا تو وہ زمانہ تھا کہ مسلمان یہود و نصاریٰ کو مسلمان بنانے کے لئے ملک کے ملک چھان ڈالتے تھے، اور جب اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتے تھے تو اپنی خطرناک محنتوں کا صلہ انہیں کامیابی سے وصول ہو جاتا تھا یا اب یہ زمانہ آگیا کہ ہم ان برتر نفوس کو جن پر قوم اسلام قیامت تک فخر کرے گی، اپنی قوم سے نئے نئے من گھڑت الزام لگاکے خارج کرنا چاہتے ہیں، اور ان کی جگہ ان رذیلہ انفاس کو

دیتے ہیں جو درحقیقت ننگ اسلام اپنی زندگی میں بھی رہے، اور مرنے کے بعد بھی اگر چشم بصیرت وا ہو اور انصاف کی بو دل و دماغ میں ہو، اور اسلام سے کچھ بھی تعلق ہو تو معلوم ہو کہ ہندوستان میں پہلا شخص اسمٰعیل ہوا ہے جسے ریفارمر (مصلح) کا لقب دے سکتے ہیں ہندوستان کی آٹھ سو برس کی سلطنت کا اگر کچھ نتیجہ ہوا ہے تو یہ کہ مسلمانوں میں ایسا شخص پیدا ہوا جس نے صدیوں کی خرابیوں کو دُور کیا، اور جس کے واقعات سوانح عمری سے اس کی کافی شہادت ملتی ہے۔ ہاں انصاف اور اسلام سے سچی محبت اور نبی اکرمؐ سے فدائیانہ عشق چاہیئے۔